قدرِ جوہر

●

مختلف اہل علم و دانش
کے مشاہدات و تاثرات

مشاہدات و تاثرات

مفتی غلام سرور قادری (مہتمم جامعہ رضویہ ٹرسٹ لاہور)

حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب کے ساتھ کافی عرصہ میرا تعلق رہا ہے خاص کر ان کے علمی لگاؤ اور مختلف موضوعات پر مذاکروں کے اہتمام کیوجہ سے ان سے زیادہ میل ملاپ رہا کرتا تھا۔ میں نے انہیں بہت ہی محب علم مشفق اور کریم الطبع پایا۔ جیسے ان کے نام میں لفظ متین آتا ہے بلاشبہ وہ بہت متین اور سنجیدہ شخصیت تھے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے نام اور طبیعت میں کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کے مزاج میں ان کے نام کی معنویت کا ظہور محسوس ہوتا ہے انہیں میں سے ایک مرحوم مولانا سید محمد متین ہاشمی بھی تھے۔ میں نے ان کی شخصیت میں نہ صرف متانت کا ظہور دیکھا بلکہ متانت اور سنجیدگی میں ان جیسی شخصیتیں بہت کم نظر آتی ہیں۔

میں نے ان کے بہت سے خطابات تقریریں سنیں تجزیے سنے تبصرے پڑھے لیکن میں نے آج تک انہیں کسی کی دل آزاری کرتے نہیں دیکھا نہ سنا۔ اپنے خیالات کا اظہار اور اپنی فکر کا اثبات اور اپنے موقف کی توضیح نہایت حسین طریقے کے ساتھ اور مدلل فرماتے تھے لیکن نہ کسی پر طنز کرتے نہ کسی کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے اور نہ ہی ان کی تقریروں میں تحریروں میں کبھی کسی کے خلاف ناراضگی کا احساس ہوتا تھا۔ میں جن علمی شخصیتوں سے متاثر ہوا ان میں ایک مولانا متین ہاشمی کی ذات گرامی بھی ہے۔ ان سے میری تخلیے میں بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں مرحوم ضیاء الحق نے کئی مرتبہ علماء کو بلایا۔ وہاں جانے پر بھی ہم دونوں میں ملاقاتیں ہوتیں۔ غالباً ایک

ہوٹل میں بھی ہم ایک دوسرے کے قریب قریب تھے۔ انہیں میرے ساتھ اور مجھے انکے ساتھ ملنے کا جذبہ اس بنیاد پر بھی پایا جاتا تھا کہ میں بھی اتحادِ مسلم کی سوچ رکھتا ہوں اور مولانا مرحوم بھی اتحادِ امت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور یہی اوصاف ان کے صاحبزادے سراج منیر مرحوم و مغفور میں تھے میں باپ بیٹے کو اس دور کا جس میں وہ دنیائے ناسوت میں تشریف رکھتے تھے بڑا فقہی علمی سرمایہ سمجھتا ہوں جو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا میرے خیال میں ایسے لوگ آئے دن پیدا نہیں ہوتے بلکہ زمانے کی آنکھیں ایسی شخصیتوں کو بڑی انتظار اور بڑی مدت کے بعد دیکھتی ہیں۔ مجھے مولانا محمد متین ہاشمیؒ اور ان کے صاحبزادے سراج منیر مرحوم کی وہ باتیں یاد آتی ہیں جو میں نے بارہا ان کے ساتھ کیں اور ان کے خلوص اور جذبہ ملت نے میرے دل و دماغ پر جو نقوش ثبت کیے ہیں میں انہیں شاید کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ مجھے اس بات کا بھی بہت افسوس ہے کہ میں نہ تو ان کے صاحبزادے کے جنازے میں شریک ہو سکا اور نہ خود ان کے جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکا۔ لیکن میں دونوں کو بہت یاد کرتا ہوں بلکہ کبھی کبھی بے ساختہ یاد آجاتے ہیں اور دونوں کی مرغوب و محبوب شخصیتیں دیر تک میرے گلستانِ دماغ میں مہکتی رہتی ہیں میں ان کے اعزہ و اقارب و پسماندگان لواحقین کے ساتھ اگرچہ کبھی ملنے کا شرف حاصل نہیں کر سکا تاہم مجھے ان دونوں کی دوستی محبت اور کمال شفقت کی وجہ سے ان کے خاندان سے غائبانہ ویسے ہی انس اور ہمدردی ہے جیسے اپنے خاندان سے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان دونوں ستاروں کو اپنے قرب کے نور سے ہمیشہ منور رکھے اور ان کی روحوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنائت فرمائے۔ آمین

دستخط :

رئیس الخطاطین حضرت سیّد نفیس الحسینی مدظلہ

مولانا سیّد محمد متین ہاشمی جدید و قدیم علوم سے آراستہ تھے۔ وُہ عمر بھر دینِ اسلام کی خدمت میں مصروف رہے۔ دُنیا طلبی سے اُن کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہ تھی۔

مولانا ہاشمی نے عالمِ اسلام کی ممتاز علمی درسگاہ " دارالعلوم دیوبند" سے علوم دینی حاصل کیئے ۔ مادرِ علمی کے فیضان نے انھیں پاکستان کا فخرِ روزگار عالم بنا دیا ۔ وُہ تعلیم و تدریس کے ماہر اور تحریر و تقریر کے مردِ میدان تھے ۔ مولانا ہاشمی عشقِ نبویؐ محبّتِ صحابہؓ واہل بیتؓ سے سرشار تھے۔ سلوک و تصوّف سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے تھے ۔ اس موضوع پر ان کی کتاب "سبیلِ ہجویرؒ" سے ان کی طبعِ سلیم و رجحانِ قلبی کا پتہ چلتا ہے ۔

تصنیف و تالیف ان کا مرغوب مشغلہ تھا۔ ان کی کتابوں میں تحقیق کا رنگ نہایت گہرا ہے۔ مولانا ہاشمی کی زندگی کا وُہ دَور سنہری دَور کی حیثیت رکھتا ہے جو انھوں نے" دیال سنگھ لائبریری میں گذارا ۔ وہ تا دمِ حیات اس ٹرسٹ کے "ڈائریکٹر ریسرچ سیل " کی حیثیت سے کام کرتے رہے انھیں قانونِ اسلامی سے ایک خاص مناسبت تھی ۔ اُن کی یہ خصوصیت بالکل منفرد تھی ۔ مولانا ہاشمی کا کام اس سلسلے میں کسی بھی تنہا عالم سے زیادہ ہے اوران کے اس ادارے کی خدمات پاکستان کے کسی بھی ادارے سے فائق ہیں ۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا ہاشمی نے نفاذِ اسلام کے لیے حکومتِ پاکستان اور مسلمانوں کو بہترین لٹریچر فراہم کیا ۔" اسلام کا قانونِ شہادت" ، " اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ ، مشکلات اوران کا حل" ، "نظامِ عشر کی برکات" ، " اسلامی حدود اوران کا فلسفہ" جیسی فاضلانہ کتابیں انھوں نے خود اپنے قلم سے لکھیں ۔ اور" اسلام کا قانونِ تجارت" ، "القصاص فی الفقہ الاسلامی" ، " اسلام کا قانون محنت واجرت " ، "اسلام کا قانونِ محاصل" ، " اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام" ، " اسلامی حکومت میں اقلیتیں" ، " اجتہاد اور تبدیلیٔ احکام" وغیرہ جیسی وقیع تحقیقی کتابیں دوسرے مصنفین سے لکھوا کر شائع کیں ۔ " بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" ، جیسی ضخیم اور بلند پایہ کتاب کا اردو میں ترجمہ کرایا ، جس کی غالباً تین جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں ، اور باقی زیرِ طبع ہیں ۔

مولانا ہاشمی کو پاکستان سے بے پناہ محبّت تھی ۔ انہوں نے اس مُلک کو سربلند کرنے میں اَن تھک محنت کی ۔ پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد کی تاریخ جب لکھی جائے گی تو مؤرخ مولانا ہاشمی کو خراجِ تحسین پیش کیئے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا ۔

مولانا ہاشمی نے تحقیقی مجلہ " منہاج " جاری کر کے بھی بہترین خدمتِ اسلام انجام دی ہے

انہوں نے بہت سے نوجوان علماء کے ہاتھ میں تصنیف و تحقیق کا قلم دیا۔ بعض علماء سے کتابیں لکھوائیں اور بہت سے لوگوں سے "منہاج" میں لکھواتے رہے۔ بیشتر وہ موضوع بھی خود دیا کرتے تھے۔ اس طرح انھوں نے نوجوان علماء کی ایک خاصی کھیپ تیار کی، جو آئندہ اپنے قلم سے اسلام اور پاکستان کی خدمت کرتی رہے گی۔ یہ مولانا ہاشمی کا صدقۂ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔

مولانا ہاشمی کی عظمت کا نشان اُن کے فرزند ارجمند سراج منیر مرحوم بھی تھے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور بروز حشر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

دستخط :

مولانا عبدالرحمان کیلانی، لاہور

ادارہ منہاج اور جناب محمد متین صاحب ہاشمی مرحوم سے میرا زبانی تعارف آج سے تین چار سال قبل محمود الحسن خوشنویس کی معرفت ہوا۔ محمود الحسن کتابت کے سلسلہ میں ادارہ منہاج سے منسلک تھا اور کسی زمانہ میں میرا شاگرد رہ چکا تھا۔ تعارف کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک عرصہ سے میرے مضامین متعدد رسائل میں چھپ رہے تھے۔ یہ مضامین بسا اوقات طویل ہوتے تھے اور ان رسائل میں عملاً بالاقساط چھپا کرتے تھے۔ اور میں یہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا رسالہ مل جائے جس میں سارا مضمون یکبارگی چھپ جائے۔ محمود الحسن سے یہ معلوم ہوا کہ مضمون خواہ کتنا ہی طویل ہو سہ ماہی مجلہ منہاج میں یکبارگی شائع کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ مضمون حوالہ جات سے مزین اور ادارہ کے قائم کردہ معیار پر پورا اترتا ہو۔

چنانچہ میں نے اپنا ایک طویل مضمون "احکام ستر و حجاب"، محمود الحسن ہی کی معرفت بھیجا جسے نہ صرف شائع ہی کیا گیا بلکہ ہاشمی صاحب مرحوم کی طرف سے حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور آئندہ مضامین بھیجنے کا مطالبہ بھی۔

کچھ عرصہ بعد میں اپنے دو مضامین لے کر محمود الحسن کی معیت میں ہاشمی صاحب سے ملا۔

ہاشمی صاحب مرحوم سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ تعارف کے فرائض محمود الحسن نے سرانجام دیے۔ ابتدائی اور رسمی گفتگو کے بعد ہاشمی صاحب نے ادارہ کی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم منہاج میں ایسے مضامین شائع کرتے ہیں جو علمی اور فقہی انداز کے ہوں، دور حاضر کے مسائل سے تعلق رکھتے ہوں اور فرقہ واریت سے پاک ہوں اور اس کی وجہ بھی بتلادی کہ یہ ادارہ ایک سرکاری ادارہ ہے اور اس میں ایسے مضامین چھاپنے کی گنجائش نہیں جس میں کسی مخصوص فرقہ کی نمائندگی ہوتی ہو۔ میں جو دو مضامین اشاعت کی غرض سے ساتھ لے گیا تھا ان میں جس مضمون کا آپ نے انتخاب فرمایا۔ اس کا عنوان تھا "اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام"۔

اسی ملاقات میں مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ آپ صرف نام ہی کے متین نہیں بلکہ فی الواقعہ ایک متین بزرگ ہیں۔ جو ایک علمی شخصیت ہونے کے باوجود نہایت متواضع المزاج ہیں اور نہایت پُروقار انداز میں گفتگو فرماتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ دورِ حاضر کے فقہی مسائل پر مشتمل متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں جنہیں ادارہ مذکور نے شائع کیا ہے۔

مضامین کی اشاعت کا تو سلسلہ چل ہی رہا تھا۔ انہی ایام میں ادارہ مذکور کو ایک ایسے شخص کی ضرورت درپیش تھی۔ جو کتاب "الموافقات للشاطبی" کا اردو میں ترجمہ کرسکے۔ اس سلسلہ میں میرا نام بھی سامنے آیا اور مجھے ہاشمی صاحب نے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو علیک سلیک کے بعد اصل موضوع جب سامنے آیا تو ہاشمی صاحب نے بتلایا کہ موافقات کے ترجمہ کا کام ہم نے یکے بعد دیگرے دو عالم حضرات کے سپرد کیا۔ مگر اطمینان کسی سے بھی نہیں ہوا پہلے صاحب کی ترجمہ کی زبان درست نہ تھی۔ دوسرے صاحب پہلے ہی ترجمہ میں قطع و برید کرکے ترجمہ تو کسی حد تک درست کردیا ہے۔ مگر ان کے کام کی رفتار اتنی سست ہے جس کا ادارہ متحمل نہیں ہوسکتا۔

اس تمہید کے بعد آپ نے مقدمہ "الموافقات" کے ۱۲ صفحات میرے سپرد کیے اور پہلے دونوں حضرات کا ترجمہ شدہ کام بھی مجھے دے دیا اور یہ ہدایت کی کہ میں بطور نمونہ چار صفحات کا ترجمہ کرکے آپ کو دکھلادوں۔ چند ہی دن بعد میں نے چار کے بجائے پورے کے پورے ۱۲ صفحات کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کردیا۔

ترجمہ کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد آپ نے اسے پسند فرمایا۔ شرائط کار طے ہوگئیں اور کام شروع

کر دیا گیا۔ یہ کام حاصل مشکل بھی تھا اور طویل بھی۔ مذکورہ کتاب کی چار ضخیم جلدوں کو پہلی بار اُردو زبان میں منتقل کرنا، پھر کام کی رفتار کا بھی خیال رکھنا ایک صبر آزما کام تھا۔ چنانچہ میں نے دوسری مصروفیات ترک کر کے اپنی تمام تر توجہ اس طرف مبذول کر دی۔ اندازہ یہ تھا کہ میں دو سال میں یہ کام انشاء اللہ ختم کر دوں گا۔ میں جب بھی کام کا کچھ حصّہ مکمل کر کے آپ کے ہاں جاتا تو آپ ہمیشہ ان الفاظ میں میری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے: "مولانا! اگر یہ کام آپ کے ہاتھوں سرانجام پا گیا تو یہ آپ کی زندگی کا ایک قابل فخر کارنامہ ہوگا" اور میں ہمیشہ یہ جواب دیا کرتا کہ میری طرف سے انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی"

دوسری طرف ادارہٗ مذکور کے لیے بھی یہ ایک قابل فخر کارنامہ تھا کہ وہ اصول فقہ کی اس چوٹی کی کتاب کا پہلی بار اردو میں ترجمہ پیش کرے۔ جو سب کے ہاں متفق علیہ ہے۔ ہاشمی صاحب باوجودیکہ عمر رسیدہ تھے اور ملازمت سے بھی سبکدوش ہونے والے تھے۔ علاوہ ازیں اکثر عارضہ قلب سے بیمار بھی رہتے تھے۔ آپ کی انتہائی آرزو یہ تھی کہ آپ کے دورِ ملازمت میں ہی یہ کتاب ادارہ کی طرف سے شائع ہو جائے یا کم از کم اس کام کا آغاز ہو جائے۔

اس دوران موافق و غیر موافق ہر طرح کے حالات پیش آتے رہے۔ حالات کی موافقت تو یہ تھی کہ آپ کی مدت ملازمت میں جولائی ۱۹۹۰ء سے لے کر جولائی ۱۹۹۲ء تک دو سال کی توسیع کر دی گئی۔ اور ناموافق حالات میں سرفہرست یہ واقعہ ہے کہ کتابت کے سلسلہ میں محمود الحسن مذکورہ نے ادارہ کو خاصا پریشان کیا۔ جس کی وجہ سے آج تک اس کی پہلی جلد بھی شائع نہیں ہو سکی۔

دوسرے نمبر پر مجھے ایک حادثہ پیش آگیا۔ میری داہنی آنکھ میں کافی عرصہ سے موتیا اتر رہا تھا۔ جس کا بالآخر اپریشن کرانا پڑا اس وجہ سے میں یہ کام دو سال کے بجائے تین سال میں مکمل کر سکا۔ تاہم میں نے یہ کام پورے کا پورا دسمبر ۱۹۹۱ء میں ادارہ مذکور کے حوالہ کر دیا۔ ان دنوں ہاشمی اکثر بیمار ہی رہا کرتے تھے اور دفتر میں کم ہی آیا کرتے تھے۔

اور تیسرے نمبر پر یہی حادثہ جانکاہ پیش آیا جس کی وجہ سے ہم سب سوگوار ہیں۔ ہاشمی صاحب بیماری کی تاب نہ لا سکے اور ۹ جنوری ۱۹۹۲ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النّار۔

تصریحاتِ بالا سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ دین کی مثبت نشر و اشاعت کے لیے کس قدر تڑپ رکھتے تھے۔ مجلہ منہاج کے خاص نمبر شائع کرنا اور اس سلسلہ میں دورِ حاضر کے مسائل کو ملحوظ رکھنا اور مضامین کو احسن صورت میں ترتیب دینا آپ کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ آپ علماء کے قدردان اور ان سے نہایت تواضع کیساتھ پیش آتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے نشر و اشاعت کا جو کام بھی کیا ہے وہ رسالوں اور مجلوں کے بجائے لٹریچر کی حیثیت رکھتا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے۔ کہ ادارہ کی طرف سے آپ موافقات کے ترجمہ کی اشاعت کی جو آرزو رکھتے تھے۔ وہ آپ کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی اور آپ یہ حسرت دل ہی میں لیے عالمِ عقبیٰ کو سدھار گئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری (بانی ادارہ منہاج القرآن)

محترم حافظ محمد سعد اللہ صاحب (نائب مدیر منہاج)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ مولانا متین ہاشمی صاحب کے متعلق خصوصی اساعت کے سلسلے میں یاد آوری کا شکریہ!

مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم کے ساتھ ہماری ملاقات اور نشست و برخاست کا سلسلہ اتنا طویل تو نہیں تاہم جس قدر بھی رابطہ رہا وہ خالصتاً علمی و تحقیقی حوالے سے بڑا یادگار ہے مولانا مرحوم چونکہ ملک و قوم اور خاص طور پر دین اسلام کا درد رکھتے تھے اور قومی ملی مسائل پر بڑی عرق ریزی ہمدردی اور جانفشانی سے کام کرنے کے عادی تھے اس لیے میں ان سے متاثر بھی تھا اور بیشتر معاملات میں ان کا مؤید بھی۔

دیال سنگھ ٹرسٹ کے تعاون سے انہوں نے فقہ اسلامی پر جس محنت اور اعتدال سے کام کیا وہ ان کو علمی و فکری دنیا میں زندہ و جاوید رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ان کی علمی خدمات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اس باہمی مسلکانہ کشاکش کے ماحول میں اپنی صلاحیتیں منتشر نہیں ہونے دیں بلکہ ان سے حتی المقدور کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے خالص اسلامی تعلیمات

کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی زندگی کھپا دی ۔

اللہ ربّ العزت ہم سب کو خلوص دل سے علمی و فکری تبلیغی و تحریکی میدانوں میں اسلام کی کما حقہٗ خدمت کی توفیق عطا فرمائے ۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی (ڈپٹی سیکرٹری وفاقی وزارت مذہبی امور)

جناب مولانا سیّد محمّد متین ہاشمی مرحوم و مغفور کی ہمیشہ مجھ پر بہت شفقت رہی ۔ آپکی رحلت اور جدائی نہ صرف قوم کے لیے ایک بہت صدمہ ہے بلکہ اُن کے عقیدت مند بھی ایک بہت بڑا خلا محسوس کر رہے ہیں ۔

مولانا سیّد محمّد متین ہاشمی صاحب سے میری ملاقات پہلی دفعہ ۱۹۸۷ء میں ہوئی ۔ میں نے انہیں اپنا مقالہ پی ایچ ڈی " اسلامک لاء آف ٹارٹ " پیش کیا تو بہت خوش ہوئے ۔ آپ نے اسے شائع فرمایا ۔ یہ اپنے موضوع پر پہلا کام تھا جو انگریزی زبان میں ہوا ۔ بعدازاں آپ نے اسلامک لاء آف کنٹریکٹ (اسلام کا قانونِ معاہدہ) کی اشاعت کا اہتمام فرمایا آپ نے محتسب کے ادارے پر بھی مجھ سے کام کروایا ۔ علامہ مرحوم کی راہنمائی کی وجہ سے میں نے انگریزی زبان میں اسلام کے قانونِ انتظام و انصرام یا اسلام کے انتظامی قانون پر بھی کام کیا ۔ الغرض آپ نے فقہ کے میدان میں میری ہمیشہ رہنمائی کی ۔ درحقیقت آپ نے اس شعبہ میں میرے ذمے اتنا کام لگایا ہے کہ میں اگر ساری زندگی بھی کام کرتا رہوں تو مشکل سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا ۔ حافظ محمد سعد اللہ صاحب اور حافظ غلام حسین صاحب اس کام کی اشاعت کے سلسلے میں مصروف ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ ہاشمی صاحب کے اس مشن کو انشاء اللہ یہ حضرات مکمل کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہونگے ۔

میں نے بڑے بڑے فقہاء دیکھے ، ان کی تحریریں بھی پڑھیں لیکن فقہ کے میدان میں جو وسیع علم

مولانا سید محمدؒ متین ہاشمی صاحب کا تھا وہ میں نے آج تک کسی اور کا نہیں دیکھا۔ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام ایک جید سکالر اور فقیہہ سے محروم ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے آمین

اظہر حسن صدیقی (چئرمین متروکہ وقف املاک بورڈ)

محترمی،

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کا مرکز تحقیق لائق مبارکباد ہے کہ وہ "منہاج" کا خصوصی شمارہ شائع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا محمدؒ متین ہاشمی مرحوم کے علم نے "منہاج" کو ٹھوس تحقیقی اور علمی بنیادوں پر استوار نہ کیا ہوتا تو یہ وقیع مجلہ پیش نہ کیا جا سکتا۔

دعا ہے کہ مرکز تحقیق، مولانا مرحوم کے تراشے ہوئے علمی و ادبی راستوں پر چلتے ہوئے، اسلامی فقہ اور قانون کی تشریح کا کام تحقیقی بنیادوں پر سرانجام دیتا رہے۔ (آمین)

دستخط

ڈاکٹر منیر احمد مغل

فقیہہ العصر، نابغۂ روزگار، رسوخ فی العلم سے نوازے ہوئے، اپنے آپ میں ادارہ، وسیع القلب، سخی، رکھنے والے مہمان نواز، ہر شخص یہی محسوس کرتا تھا کہ وہ اسے ہی سب سے زیادہ وقت دیتے ہیں اور محبت کرتے ہیں، اساتذہ میں بڑے معزز، علماء میں بڑے مکرم، مجالس دینی کے صدر نشین، عربی فارسی اور انگریزی پر عبور، صحافتِ دینی کے شہسوار، قرآن و حدیث و فقہ اور فلسفہ و تاریخ ایسے آسان پیرائے میں پڑھانے والے کہ حرف حرف دل میں اترتا جائے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نام سنتے ہی جھوم جانے والے، اہل اللہ اور اہل اللہ کے

بڑے قدر دان، جن پر جتنا فخر کیا جائے اُتنا ہی کم، غریبوں کے ہمدرد، ماتحتوں کا بڑا خیال رکھنے والے، حق گوئی میں بے باک اور صاف گوئی میں نڈر، گفتار و کردار میں یکرنگی کے حامل، قانع، خاشع اور صابر، کئی دینی کتابوں کے مصنّف اور مؤلف، دیال سنگھ ٹرسٹ کے ریسرچ سیل کے رُوحِ رواں اور بے شمار تحقیقاتی مقالوں کے محرّک اور بین الاقوامی معیار کے جریدے منہاج کے مدیرِ اعلیٰ، سراج مُنیر جیسے لائق و ہونہار فرزند کے والد گرامی قدر حضرت مولانا سیّد محمّد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات محتاجِ تعارف نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا پاکستان لاء کمیشن۔ فیڈرل شریعت کورٹ ہو یا وطن کی جامعات۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، جرائد، مجلسیں، مذاکرے سب میں مولانا مرحوم ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔

مرحوم و مغفور سے میری پہلی ملاقات عزت مآب سیّد شمیم حسین قادری سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ کے چیمبرز میں ہوئی جب انہوں نے "اسلامی قانون شہادت" نامی معرکۃ الآرا کتاب تالیف فرمائی۔ بعد ازاں جب قابلِ احترام حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے جامعہ نعیمیہ لاہور میں قاضی کلاسز کا اجراء کیا تو جن اساتذہ کی خدمات اس کارِ عظیم اور کارِ خیر کے لیے لی گئیں تو اُن میں سرفہرست نام حضرت مولانا سیّد محمّد متین ہاشمی کا تھا جو اسلامی قانون شہادت پڑھاتے تھے۔ انہی کے اصرار پر راقم اِن کلاسز میں "ادب القاضی" کا مضمون پڑھاتا تھا۔

اُمتِ مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کے دل سے خواہاں اور عالمِ باعمل تھے۔ زبان و بیان میں شستگی تھی۔ بات دلیل سے کرتے تھے۔ دل جیت لیتے تھے۔ اور طبیعت میں جمال و جلال کو بڑے اعتدال کے ساتھ سموئے تھے۔ جہاں اپنی ذات پر بات ہوتی بڑے حلیم و کریم و عفو و درگذر سے کام لینے والے جہاں دینی حمیّت کی بات ہوتی تو اللہ کے شیر کی طرح حق کے حامی اور باطل کے مخالف نظر آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم الحاج حافظ محمد سعید (بانی ہمدرد فاؤنڈیشن) کو بھی دین سے سچی لگن عطا فرمائی ہے مردم شناسی میں ان کا جواب نہیں، محفل آرائی میں اُن کی نظیر نہیں، بکھروں کو یکجا کر کے پلیٹ فارم پر جمع کر دینے میں اپنی مثال آپ ہیں چنانچہ شامِ ہمدرد کی کئی مجالس میں ہم حضرت مولانا سیّد محمّد متین ہاشمی مرحوم کو کبھی صدر نشین کبھی مقرر کبھی بحث و تمحیث میں

حصّہ لینے والے کبھی لاہور کبھی کراچی اور کبھی کسی اور شہر میں انہی کے توسّط سے دیکھتے رہے۔ مدینۃ الحکمت کا قیام صرف قومی نہیں بین الاقوامی افادیت اور اہمیت کا حامل ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر حکیم صاحب مدینۃ الحکمت میں "سیّد محمّد متین ہاشمی چیئر" کے نام سے ایک شعبہ "قانون اسلامی" قائم کردیں۔

مولانا مرحوم کی یاد منانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ان کے مشن کو زندہ رکھا جائے۔ ان کا مشن یہی تھا کہ اسلامی تعلیمات صاف ستھرے انداز میں سامنے آئیں اور پاکستان ایک سچی اسلامی ریاست بن کر اقوامِ عالم کی رہبری و سرداری کے فرائض سرانجام دے۔

الحاج حافظ غلام حسین اور حافظ محمد سعداللہ دونوں کی تربیت مرحوم و مغفور قبلہ سیّد محمّد متین ہاشمی صاحب نے اچھے انداز سے کی شاید روایت افسر و ماتحت میں ایسی مثالیں نظیر کہیں اور مل سکے۔ وقت بتائے گا کہ یہ دونوں نوجوان کتنی ترقی کرتے ہیں۔ راقم عاجز کے پاس سوائے دعاؤں کے کچھ نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اس علمی شمع کو روشن رکھے (آمین۔ ثم آمین)

مولانا میاں محمّد اجمل قادری (شیرانوالہ گیٹ لاہور)

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

میرے جیسے ناچیز کے لیے مولانا مرحوم سے تعلق تمام عمر کا سرمایہ ہے۔ مرحوم سراج منیر سے ہمارا تعلق اس شام ہوا جب ایک شام مولانا محمّد متین ہاشمی مرحوم مغرب کی نماز پڑھ کر ہمارے مدرسہ میں تشریف لائے اور میرے شیخ مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات کا شوق ظاہر فرمایا میں چونکہ حضرت کا خادم تھا میں نے حضرت سے عرض کیا کہ فلاں صاحب تشریف لائے ہیں تو حضرت فوراً اپنے مطالعہ کے لباس میں

یعنی لنگی اور بنیان میں دوڑتے تشریف لائے اور کمال دل بستگی سے مولانا ہاشمی مرحوم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے اس حجرے میں لے گئے جہاں پر ان کے سوا کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ رات کے کئی پہر گذر گئے اور نصف شب کے بعد مولانا محمدؐ متین ہاشمیؒ جب اس حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے تو فرمانے لگے کاش میں دس سال پہلے تمہارے والد سے ملا ہوتا۔

یہ قرعۂ فال بھی میرے نام نکلا کہ دارالعلوم دیو بند کے صد سالہ جشن میں جب مولانا محمدؐ متین ہاشمی صاحب کا نام پکارا جائے تو ان کی دستار فضیلت وہاں سے میں حاصل کروں چنانچہ مجھے یہ فخر اور یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب مولانا محمدؐ متین ہاشمی صاحب کا نام پکارا گیا اور دارالعلوم دیو بند کے ابنائے قدیم کے لیے دستاریں تقسیم ہو رہی تھیں تو مولانا محمدؐ متین ہاشمی صاحب کی دستار میرے سپرد کی گئی۔ مولانا نے بنگال کی علیحدگی کے بعد لاہور میں آکر بڑی کسمپرسی کے عالم میں اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ مجھے وہ دن یاد ہے جب ایک صاحب نے اپنے گودام میں رہنے کے لیے ایک کمرہ ان کے اہل خانہ کو پیش کیا اور مولانا کمال استغناء کے ساتھ ہر بڑی پیش کش کو ٹھکرا کر وہاں پر تشریف فرما ہوئے اور انہیں ٹوٹی پھوٹی مصری شاہ کی گلیوں سے سراج منیر واقعی ایک چمکدار ستارہ بن کر چمکا۔

زندگی کے روز و شب گزرتے چلے گئے اور جب شام ہم نے سراج منیر کو اپنے سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا میں نے اس شام مولانا متین ہاشمی صاحب کے لہجہ کا عزم دیکھا مولانا نے فرمایا! اللہ کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔

مولانا متین ہاشمی ہم سے جدا ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک عہد ختم ہو گیا ایک زمانہ بیت گیا۔ اور وہ لوگ جو اخلاص کی شمعیں روشن کیا کرتے تھے، اور جو لوگ خون جگر جلا کر قوم کی رہنمائی کا فرض ادا کیا کرتے تھے وہ اپنی دوکان بڑھا گئے اور ہم چند ماتم کرنے والے رہ گئے۔

اللہ کرے کہ آنے والی قومیں سراج منیر اور مولانا متین ہاشمی کی روشن کی ہوئی قندیلوں سے اپنی زندگی کی شاہیں روشن کریں۔

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ایڈیٹر ماہنامہ "درویش" لاہور

مولانا ہاشمی رحؒ سے میری ملاقات غالباً پندرہ سولہ برس پہلے ہوئی ۔ وہ سرما کی ایک شام تھی جب میں سیرت النبیؐ کے ایک جلسہ میں انہیں تقریر کی دعوت دینے مصری شاہ کے اندر ایک مسجد میں گیا ۔ اس روز پہلی بار میں نے ان کا درس قرآن سنا ۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں قرآن حکیم کے ایک عالم باعمل سے اس کی تفسیر سُن رہا ہوں ۔ ان کی باتوں نے دل پر بہت اثر کیا ۔ وہ درس قرآن سے فارغ ہوئے تو میں نے ان کی خدمت میں اپنا مدعا عرض کیا ۔ انہوں نے محبت کے ساتھ شرکت کا وعدہ کیا اور پھر اسے نبھایا بھی ۔ اس کے بعد مولانا سے ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہوگیا ۔ جو ان کی وفات تک جاری رہا ۔

جس زمانے میں وہ جی او آر بھتری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے ، میری کوشش ہوتی کہ جمعہ ان کی اقتدا میں پڑھوں ۔ جمعہ کے بعد وہ مسجد سے ملحقہ ایک کمرے میں آرام کی غرض سے لیٹتے تو میں بھی چند احباب کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو میں شریک ہوتا ۔ ایک روز میں نے پوچھا : مولانا جمعہ کے دو فرضوں سے فارغ ہوتے ہی آپ دل پر ہاتھ رکھ کر کیا پڑھتے ہیں ؟ مولانا یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا : خواجہ صاحب ! یہ دل کے امراض کے لیے بڑی عجیب اور پُر تاثیر دعا ہے ۔ پھر میری درخواست پر انہوں نے یہ دعا سنائی : یا قوی القادر المقتدر قوِّنی و قلبی ۔ فرمایا : یہ حضرت شاہ ولی اللہ کی خصوصی دعا ہے جو وہ پڑھا کرتے تھے ۔ پھر انہوں نے مجھے بھی یہ دعا پڑھنے اور ضرورت مندوں کو بتانے کی اجازت دی ۔ میں یہ دعا آج تک ہر نماز کے بعد باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا ہوں اور سینکڑوں ضرورت مندوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دے چکا ہوں ۔ یہ مولانا ہاشمیؒ کا فیضان ہے جو عام ہو رہا ہے ۔

مولانا ہاشمی رحؒ نے حضرت سیّد علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ پر کتاب "سیّد ہجویری" تحریر کی تو از راہ محبت مجھے بھی ایک نسخہ عطا فرمایا ۔ پھر مجھے راز کی یہ بات بھی بتائی کہ کتاب کی تالیف کے دوران انہوں نے کشف سے بھی مدد لی ہے ۔ اس کی تفصیل یوں بتائی کہ متضاد اور مختلف روایات کی موجودگی میں ایک درست روایت

تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بارہا حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر کشفِ قبور کا عمل کیا اور صحیح مواقف کے سلسلے میں ان سے رہنمائی حاصل کی۔ پھر میری درخواست پر انہوں نے کشفِ قبور کا طریقہ یا عمل مجھے بھی سکھایا اور ہدایت کی اسے لاہور کے جس بزرگ کے مزار پر چاہو پڑھو اور فائدہ اٹھاو، لیکن حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر نہ پڑھنا، کیونکہ وہ بہت جلالی بزرگ ہیں۔

ایک روز ان سے بعض آیات قرآنی کی تاثیر کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، تو فرمانے لگے، میں کام سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر مصری شاہ جاتا ہوں تو ایک مور یہ پل کے قریب عموماً ٹریفک جام ہو جاتی ہے۔ جب یہ سلسلہ طویل ہو جاتا ہے تو میں سورۂ "الم نشرح" پڑھ کر پھونک دیتا ہوں۔ فوراً ٹریفک چل پڑتی ہے اور راستہ مل جاتا ہے۔

میں مولانا سے جب بھی ملتا، میری کوشش ہوتی کہ ان سے کچھ سیکھوں اور حاصل کر وں۔ وہ بہت عدیم الفرصت تھے۔ لیکن اپنے زیرِ ادارت رسالے میں اشاعت کے لیے میں جب بھی ان سے کوئی مضمون مانگتا، وہ وعدہ کے مطابق مجھے مضمون لکھ دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ ریڈیو پر پڑھی ہوئی اپنی تقریر مجھے عنایت فرماتے، جسے میں شائع کر دیتا۔

جن دنوں میں پاکستان ہومیو پیتھک میڈیکل کالج میں پڑھاتا تھا، ان سے ملاقات ہوتی تو وہ ہومیو پیتھی کے بارے میں بھی بڑی دلچسپ باتیں سناتے۔ پاکستان ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر الیاس مسعود مرحوم سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ ان کا اکثر تذکرہ کرتے۔ ایک روز بتایا کہ میری طبیعت سخت خراب تھی، میں ڈاکٹر الیاس مسعود مرحوم کے کلینک میں گیا۔ انہوں نے مجھ سے صرف ایک سوال کیا۔ کیا آپ سر کے نیچے دو سرہانے استعمال کرتے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک پڑیا دی۔ میں نے حیرت سے کہا کہ یہ ایک پڑیا کیا کرے گی؟ میری طبیعت تو بہت زیادہ خراب ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ ایک پڑیا ہی کافی ہے۔ اور واقعی وہ ایک پڑیا جادو اثر ثابت ہوئی۔ میری برسوں کی بیماری اس ایک پڑیا سے جاتی رہی۔ میں نے مولانا سے پوچھا، وہ کون سی دوائی تھی، تو فرمایا: آرسینکم البم۔

ایک روز میں نے کہا مولانا! آپ کو اور ڈاکٹر الیاس مسعود کو نہر میں پھینکنے کا کیا واقعہ ہے؟ یہ سُن کر بہت ہنسے۔ کہنے لگے آپ کو یہ واقعہ کس نے سنایا۔ میں نے کہا: ڈاکٹر خالد مسعود نے۔ پھر خود ہی یہ واقعہ اس طرح سنایا کہ ایک روز ہم چند دوست پکنک کی غرض سے نہر پر گئے۔ میں نے اور ڈاکٹر الیاس مسعود نے شیروانیاں پہن رکھی تھیں۔ باقی حضرات پتلون والے تھے۔ ان دوستوں نے خفیہ طور پر یہ "سازش" بنائی کہ ہم دونوں شیروانی والوں کو نہر میں پھینک دیں۔ میں اور ڈاکٹر الیاس مسعود آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آناً فاناً ان لوگوں نے ہمیں اٹھا کر نہر میں پھینک دیا۔ ہم دونوں دل کے مریض تھے۔ تیرنا بھی نہ جانتے تھے۔ ہم نہر میں ڈبکیاں کھانے لگے۔ وہ نہر کے کنارے کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ قریب تھا کہ ہم ڈوب جاتے کہ انہوں نے فوراً چھلانگیں لگا کر ہمیں بچایا۔ بظاہر یہ سنگین مذاق تھا، لیکن نہر سے باہر نکل کر بھی ہمارا یہ حال تھا کہ ہماری ہنسی نہ تھمتی تھی۔

مولانا زبردست علمی شخصیت ہونے کے باوجود بڑی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر کبھی بوریت کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ وہ دوستوں کے دوست تھے۔ دیال سنگھ ٹرسٹ کے لیے انہوں نے دن رات محنت سے کام کیا، اور بے شمار علمی کتابیں شائع کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی وفات بلاشبہ ایک علمی سانحہ ہے۔ وہ جب بھی یاد آتے ہیں، دل اداس ہو جاتا ہے اور ہاتھ بے اختیار ان کی مغفرت کی دعا کے لیے اُٹھ جاتے ہیں۔

جناب انعام الحق صاحب

ڈائریکٹر جنرل پنجاب پبلک لائبریریز

میں مولانا مرحوم سے اکثر ملتا رہتا تھا لائبریری میں بھی اور گھر میں بھی۔ اپنے محلے کی مسجد میں بھی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ مولانا نہایت شگفتہ مزاج تھے اور چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ

رہتی تھی۔ اپنی علالت کے باوجود یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ انہیں کوئی رنج اور ملال ہے۔ میں نے بہت سے مقررین دیکھے اور سنے ہیں مگر ان جیسا پُرجوش مقرر نہیں دیکھا۔ انتہائی جوش سے بیان کرتے تھے جس سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان کے اندر دین کا ایک جوش اور ولولہ تھا۔ ان کی تقریر کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ مثبت انداز میں بیان کرتے منفی انداز نہیں اپناتے تھے۔ دوسرا ان کا بیان عموماً مایوس کن ہونے کی بجائے پُرامید ہوتا۔ ٹی۔ وی پر ان کا بیان اور درس بھی بڑا مؤثر اور جامع ہوتا۔ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی کسی قسم کا تکلف یا کروفر نہیں تھا۔ میں چونکہ پان کھاتا ہوں اس لیے جب بھی ان کے پاس جاتا کمال محبت سے مجھے پان کھلاتے اور انتہائی شفقت سے پیش آتے یہ چیز ان کی روحانیت وسعت قلبی اور ہمدردی پر دلالت کرتی ہے۔

تصنیف و ریسرچ کے میدان میں بھی ان کا بڑا نمایاں مقام ہے۔ انہوں نے جدید موضوعات کو سامنے رکھ کر بہت کام کیا۔ ان کی تحقیق مابعد الطبیعاتی موضوعات کے گرد گھومنے کی بجائے روزمرہ کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتی تھی۔ ریسرچ سیل کو اسٹیبلش کرنے میں انہوں نے بڑی محنت کی۔ ریسرچ سیل کی بعض لوگ مخالفت بھی کرتے مگر انہوں نے ہمیشہ بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ باوجود علالت کے وہ مسلسل کام کرتے رہے۔

مولانا مرحوم عام لوگوں کی طرح جدت پسند نہ تھے بلکہ قدامت پسند تھے۔ دوسرے ایسے لوگوں میں سے بھی نہیں تھے جو خود نہ بدلتے ہوں مگر قرآن کو بدل دیتے ہوں۔ میں اسی آدمی کو بزرگ سمجھتا ہوں جس کے پاس جاکر طبیعت کھلے اور یہ چیز مولانا مرحوم کے پاس جاکر میں محسوس کرتا تھا۔ ان کی اسی بزرگی اور عالمانہ خوبیوں کی وجہ سے مرحوم جنرل ضیاء الحق بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جنرل صاحب خود خواہش کرکے ان سے ملے اور ایک مرتبہ لائبریری میں بھی ملنے کے لیے آئے۔ بہرحال مولانا ایک بہت بڑی علمی شخصیت تھے جن کی رحلت سے علمی دنیا میں ایک بڑا خلا واقع ہوگیا ہے۔ میری دعا ہے اللہ کریم مرحوم کی بخشش و مغفرت فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ازھری (جامعہ نعیمیہ لاہور)

بعض شخصیات اس قدر اثر انگیز خصوصیات و صفات کی حامل ہوتی ہیں کہ بساطِ عالم فنا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اپنی خوش کن اور ان منٹ یادیں دل و دماغ پر اس طرح ثبت کر جاتی ہیں جو ناقابل فراموش ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد متین ہاشمی صاحبؒ نور اللہ مرقدہ بھی انہی ہستیوں میں سے ایک تھے۔ اسلام کے فروغ اور نفاذ اسلام کے بارے میں آپ کی کوششیں صرف تمنا و خواہش کی حد تک محدود نہ تھیں بلکہ عملی طور پر تحریری اسلوب میں ایسی قابل عمل اساس اور بنیادیں مہیا کی ہیں جو نافذین اسلام کے لیے بہترین سرمایہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں گراں قدر سرمایہ مستقبل کے جویندگان علم کے لیے منبعِ فیض رہے گا گلستانِ علم میں اپنے نوکِ قلم کی گلپاشیوں سے گلوں کو بہارِ نو بخش کر اور تحقیق و تفحص کے میدانِ خارزار میں دشمنان اسلام کے تشکیک و تشنیع کے چلائے ہوئے نشتر کو اپنی خداداد علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف کند کرتے بلکہ تعلیمات اسلامیہ کی حقانیت کو بھی اجاگر کرتے تھے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی تصنیف شدہ کتب اس کا بین ثبوت ہیں۔

تعلیمی و تدریسی میدان میں بھی آپ کی خدمات قابل فخر ہیں دارالعلوم جامعہ نعیمیہ میں ۸۲ - ۱۹۸۱ء میں جید علماء، وکلاء اور اہلِ علم حضرات کے لیے قانونِ اسلام کی افادیت کو آشکارا کرنے کے لیے اور اسلامی نظام عدالت کی تربیت کے سلسلے میں ششماہی ریفریشر کورس "قاضی کورس" میں قانون شہادت اسلام پر آپ کے لیکچرز قانون اسلام کا نہ صرف ایک عظیم سرمایہ ہیں بلکہ جودتِ علم کا شاہکار بھی ہیں۔ دوران تدریس وکلاء و علماء کے دقیق اور مشکل سوالات کے علمی جوابات میں مروجہ غیر اسلامی قوانین کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے نقائص کو بھی واضح اور متعین کرتے تھے۔

عاجز جب بھی اپنے Ph.D کے مقالہ کے سلسلے میں دیال سنگھ لائبریری میں

حاضر ہوتا تو خصوصی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے فراہمی کتب میں تعاون فرماتے بلکہ مزید متعلقہ کتب کے بارے میں بھی رہنمائی فرماتے۔

آپ کا ایک اور یادگار کارنامہ دیال سنگھ لائبریری کا شعبہ تحقیق (ریسرچ سیل) کا جدید موضوعات پر نادر کتب کا مدوّن اور زیور طبع سے آراستہ کرنا ہے جو آپ کی علمی خدمات کا صدقہ جاریہ ثابت ہوتا رہے گا

جناب حافظ نذر احمد صاحب (پرنسپل شبلی کالج لاہور)

اخی محترم سیّد ہاشمی صاحب کے ساتھ میرے روابط کا دور گذشتہ نصف صدی پر محیط ہے۔ لیکن یہ طے نہیں کر سکا کہ اس واسطے کو برادرانہ رشتہ کہوں، قلبی تعلق کہوں یا علمی اور روحانی واسطہ، اسلیے کہ ہمارے باہمی تعلقات میں یہ تمام باتیں شامل تھیں۔

جامعہ محمدی شریف سے تعلقات کا آغاز ہوا، جو آخری ایام تک جاری رہا۔ اس میں بے تکلفی کا یہ عالم رہا کہ ایک بار آموں کے موسم میں ہم قریبی احباب نہر کے کنارے جمع ہوئے۔ کام و دہن کی لذت کے ساتھ لطائف اور بیت بازی ہوئی۔ شرارتیں شروع ہو گئیں مرحوم ڈاکٹر محمد الیاس مسعود نے ہاشمی صاحب کو نہر میں دھکا دے دیا، پانی کافی گہرا تھا، اللہ تعالیٰ نے خیر کی، اور سیّد صاحب دو چار ہاتھ مار کر باہر نکل آئے، مگر کیا مجال کہ ماتھے پر کوئی شکن آئی ہو۔ بھیگے ہوئے کپڑے سکھائے اور پھر مجلس جم گئی۔

تعلقات کی اس نوعیت اور روابط کی اس قدر طویل مدت کے باوجود عجیب بات ہے کہ ان کے بارے میں کچھ کہنے کو قلم نہیں اُٹھ رہا ہے، یہ بات نہیں کہ میرا قلم خشک ہو گیا ہو، ہزاروں صفحات سیاہ کر چکا ہوں، اور اب بھی یہ مشق جاری ہے لیکن اُن کے متعلق کیا لکھوں، ان کی کس حیثیت پر خامہ فرسائی کروں۔

وہ جامع الصفات تھے، دوستوں کے دوست تھے، خاموش طبع ہونے کے باوجود

جانِ محفل ہوتے۔ وہ عالم تھے، معلّم تھے، ادیب تھے، محقق تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صاحبِ درد اور صاحبِ فکر تھے، بالعموم قلمکار شمشیر بدست نہیں ہوتے، لیکن ہاشمی صاحب مجاہد بھی تھے اور غازی بھی، انہوں نے مرحوم مشرقی پاکستان میں شمشیر و سناں کے جو جوہر دکھائے اور پاکستان کی سالمیت کے لیے جو خدمات انجام دیں اُن پر مستقل کتاب کی ضرورت ہے، کاش کوئی عزیز اس داستان کو ضبطِ تحریر میں لے آئے۔ اس کے بغیر ہماری تاریخِ وفا ادھوری رہ جائے گی۔

مسرّت، ہجرت، حرب و ضرب، کالج کی سربراہی، "بیکاری" اور بے روزگاری کے ہر دور میں وہ علم کے پیاسے اور حقیقت کے جویا رہے۔ کوئی میرے اس فقرے کو گستاخی پر محمول نہ کرے وہ حقیقی طالب علم تھے۔

اُن کے مطالعے میں وسعت اور فکری توانائی تھی، گہرائی اور گیرائی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ صرف اپنی ذات کے لیے نہ تھا۔ وہ اپنا فکر، اپنا ذوق، اور اپنی لگن تحدید اور تکلف کے بغیر دوسروں میں تقسیم کرتے تھے۔ علمی مشوروں میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے یہ وصف بالعموم مفقود ہے۔

ہاشمی صاحب علیہ الرحمہ کی وضع داری اور سادگی زندگی بھر ہر چیز پر غالب رہی ان کا لباس، ان کی خوراک، ان کی نشست، ان کی مجلس داری، ان کے اوراد و وظائف ابتدائی زندگی سے آخری ایامِ حیات تک یکساں رہے۔ آزمائش کے کٹھن دور میں، انتہائی معاشی بحران کے زمانہ میں اُن کے شب و روز وہی تھے جو فراخی اور وسعت کے دور میں احباب نے دیکھے۔

سیّد صاحب صبر و استقلال کا پیکر تھے۔ یہ اُن کا وہ وصف ہے جو اکثر ہم میں نہیں ہوتا۔ معاشی حالات ایک طرف رہے وہ ذاتی صدموں اور حادثات کے وقت بھی صبر و استقامت کا کوہِ گراں رہے۔

وہ ہمارے اسلاف کے اس گروہ کی یادگار تھے جو علم و دانش کے ساتھ فکر و نظر اور فکرِ رسا کے ساتھ باطنی انوار کے بھی حامل رہے ہیں۔ تصوف و سلوک کی منزلوں کے راہی اور ذکر و فکر میں مشغول رہے، مرحوم کی زندگی کا یہ وہ پہلو تھا جس سے بے شمار پریشان حال

لوگوں نے فیض پایا، اور سکونِ خاطر حاصل کیا۔ ان کے اُٹھ جانے سے یہ لوگ بے سہارا ہو کر رہ گئے ہیں۔

اللّٰھم اغفرہ وارحمہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ

مولانا ڈاکٹر عبد الواحد صاحب (نائب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم والعاقبۃ للمتقین

ہمارے ایک استاد حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمہ اللہ ایک مرتبہ مجھے اپنے ساتھ دیال سنگھ لائبریری کے ریسرچ سیل میں لے گئے اور وہاں ڈائریکٹر کے کمرے میں تشریف فرما ایک مولانا صاحب سے تعارف کرایا۔ ان مولانا صاحب نے اسی نشست میں ایک مضمون "اسلام میں واقعاتی شہادت کی حیثیت" لکھنے کو دیا۔ مضمون میں نے لکھ دیا۔ بہت ہی تعریف کی اور پھر بعد میں بھی چند اور مضامین لکھوائے جو ان کے رسالہ "منہاج" میں بھی چھپے۔ یہ کوئی میری خصوصیت نہ تھی بلکہ ان مولانا صاحب کی خصوصیت تھی کہ لکھنے والوں کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کو تحقیق کے رستے پر ڈالنے کے لیے مختلف طریقوں سے آمادہ کرنے کی جدوجہد کرتے رہتے تھے۔ بلاشبہ بہت سوں میں تحقیق کی استعداد اجاگر کرنے اور بڑھانے میں ان مولانا کا ہاتھ تھے۔ یہی مولانا صاحب مولانا سید متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

مولانا متین ہاشمی صاحب کے ساتھ تقریباً چھ سات سال تک تعلق رہا۔ یہ مولانا کا آخری دور تھا اور مختلف بیماریوں کے شکار بنے ہوئے تھے۔ کبھی کمر کی تکلیف اور کبھی دل کا عارضہ۔ یہ دونوں ہی اور خصوصاً دل کی تکلیف بار بار مولانا کو بستر علالت پر ڈال دیتی تھی لیکن مولانا باہمت اور باعزم آدمی تھے۔ کچھ ہمت پاتے تو بستر علالت پر ہی کام شروع کر دیتے تھے اور بالآخر لوٹ پوٹ کر کھڑے ہو جاتے اور اپنی نشست پر رونق افروز ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بیٹے سراج منیر کی اچانک وفات اور اس کے بعد پیش آنے والے چند خانگی مسائل نے مولانا کی قوت برداشت کو منتشر کر دیا اور ان صدموں سے بظاہر کچھ سنبھلنے کے بعد

مولانا جو پھر بستر علالت پر لیٹے تو اٹھ نہ سکے۔ اور دنیا ہی سے منہ موڑ لیا۔

میں نے از خود تو کبھی مولانا سے ان کے حالات نہ پوچھے تھے البتہ مولانا خود ہی کبھی کچھ تذکرہ چھیڑ دیتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا مجھے لکھنے کو کچھ کہہ رہے تھے تو میں نے کہا کہ رمضان میں روزہ کی حالت میں مجھ میں کام کی زیادہ ہمت نہیں ہوتی۔ مولانا فرمانے لگے کہ اس کے برعکس وہ روزہ میں نسبتًا زیادہ کام کر لیتے ہیں۔ اور انکی طبیعت زیادہ کھلتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں نے کبھی اپنی رہائش نہ بنائی۔ کرائے کے مکانوں ہی میں گزارہ کیا۔ اس ضمن میں بتایا کہ تصوف کے سلسلہ میں ایک بزرگ سے تعلق ہوا جنہوں نے موت کا مراقبہ اتنا کرایا کہ دنیا کی کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہوئی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق بھی تھا اور قلبی تعلق تو انتہائی گہرا تھا کہ انکا ذکر بڑی عقیدت سے فرماتے تھے۔

صدر ضیاء الحق کے دور میں دینی احکام کے نافذ کئے جانے کے بارے میں خاصے پر امید تھے اور صدر ضیاء الحق نے بھی بدائع الصنائع کے ترجمہ و اشاعت میں خصوصی دلچسپی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اسی لیے مولانا کی کوشش تھی کہ اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ کام پیش کیا جائے۔

غالبًا یہی وجہ تھی کہ مولانا نے عوارض کے باوجود خوب کام کیا اور کام ہی نہیں بلکہ کام شروع کر کے جما کر دکھایا۔ مجلہ منہاج کی اشاعت کو مستحکم کیا اور بدائع الصنائع جیسی ضخیم کتاب کے ترجمہ و اشاعت کے علاوہ بھی کئی کتابیں اور تراجم منصہ شہود پر لائے۔

ہم جیسے طالب علموں سے مولانا انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ بعض اوقات تو خاص نجی و ذاتی باتیں بھی ذکر کرتے تھے اور یہ تو کبھی نہیں ہوا کہ کچھ تواضع کے بغیر واپس جانے دیا ہو۔ بلکہ اگر ریسرچ سیل کے دیگر افراد کے پاس بیٹھا رہا ہوتا تو مزاح سے فرماتے کہ ان بخیلوں نے کیا تواضع کرنی ہے؟ (اگرچہ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ دیگر حضرات بھی حد سے زیادہ خیال فرماتے تھے اور فرماتے ہیں) اور میں نے تو محسوس کیا کہ مولانا اپنے عملہ کے ساتھ بھی شفیق تھے جس کی دلیل یہ تھی کہ پورے عملہ کو مولانا کا گرویدہ پایا۔ ظاہر ہے کہ سچی گرویدگی اخلاق کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی فرماتے ہوئے ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔ آمین

صاحبزادہ سیّد خورشید احمد گیلانی (سیکرٹری جنرل مسلم انسٹی ٹیوٹ، پاکستان)

میں خود کو ان لوگوں میں تو ہرگز شامل نہیں سمجھتا جو یہ دعویٰ کر سکتے ہوں کہ انہیں محمد متین ہاشمی مرحوم کا قرب خاص حاصل تھا تاہم اس اعزاز کا حامل ضرور ہوں کہ مجھے مولانا مرحوم کی طرف سے حوصلہ افزائی اور شفقت میسّر رہی اور مجھ ایسے کم سواد کے لیے اتنا بھی بہت کچھ ہے کیونکہ مجھے اپنی اوقات کا ہر لمحے اندازہ رہتا ہے۔

مجھے ان کا منصب و مقام تو ایک عرصے سے معلوم تھا لیکن پہلی بالمشافہ ملاقات مجھے اچھی طرح یاد ہے جو عام روش کے اعتبار سے تو آخری ملاقات بن جاتی مگر مولاناؒ کی شانِ کریمی بزرگانہ عظمت اور خورد نوازی کے باعث وہ تمہید ٹھہری آئندہ کے روابط اور تعلقِ خاطر کی اور ان کی یہی ادا اُن کی بڑائی کی سب سے بڑی دلیل ہے، ہوا یوں کہ مرحوم صدر ضیاء الحق نے اپنے دور میں اسلامائزیشن کے حوالے سے زکوٰۃ و عشر آرڈیننس جاری کیا، جس پر روزنامہ "جنگ" نے ایک جنگ فورم کا اہتمام کیا متعدد اہلِ علم اور دانشور اس میں مدعو تھے، مولانا مرحوم اور راقم الحروف بھی شریکِ مجلس ہوئے، ان کا نقطۂ نظر اس آرڈیننس کے حق میں تھا اور میرا مؤقف اس کے خلاف تھا اور میرے ذہن میں یہ گمان تھا کہ مولانا چونکہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے ڈائریکٹر ہیں اور یہ ادارہ چونکہ سرکاری ہے اس لیے مرحوم کا جھکاؤ سرکار کی طرف ہے، چنانچہ آج بھی "جنگ" کے وہ مطبوعہ صفحات ریکارڈ میں موجود ہیں کہ اس فورم میں میری اور مولانا مرحوم کی تکرار کا مختصر سا عکس ملتا ہے، بحث ختم ہوئی اور مجلس برخاست!

کچھ ہی عرصے بعد حکومت کی طرف سے ایک عندیہ اخبارات میں شائع ہوا کہ وہ اس امر کا اہتمام کر رہی ہے کہ خطباتِ جمعہ کے لیے حکومت اپنی طرف سے "سٹینڈرڈ خطبہ" مہیا کرے گی اور جملہ مساجد میں وہی خطبہ پڑھا جائے گا تاکہ انتشارِ فکری اور فرقہ واریت کا خاتمہ ہو سکے اس موضوع پر ایک بار پھر "جنگ" نے انٹرنیشنل ہوٹل اپر مال میں مذاکرے کا اہتمام کیا۔ مولانا مرحوم اور راقم الحروف اس بار بھی مدعو تھے دیگر علماء اور دانشور بھی جمع تھے حمایت و مخالفت میں باتیں ہوئیں ایک بار پھر میری اور مولانا کی آراء ٹکرا گئیں، مذاکرہ ختم ہوا تو میں نے ان کے

گھٹنوں کو چھوا اور معذرت آمیز لہجے میں کہا کہ قبلہ میری حالت ہے تو اس کلچڑی گنجی جیسی جو حضورِ بلبلِ بستاں نواسنجی کرتی ہے لیکن کیا کروں کہ آپ سے اختلاف کی جسارت ہو جاتی ہے اتفاق سے دونوں موضوعات ہی ایسے تھے کہ حکومت کے مؤقف کی حمایت کی کڑوی گولی باوجود کوشش کے حلق سے نیچے نہیں اُترتی اس پر مولانا مرحوم نے جو الفاظ کہے وہ لوحِ قلب پر آج تک نقش ہیں" نہیں صاحبزادہ صاحب میں ہرگز ناراض نہیں ہوتا بلکہ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ آپ کے لہجے میں ادب، نرمی اور شائستگی مگر بات میں استدلال اور وزن ہوتا ہے آپ سے تو خصوصی ملاقات ہونی چاہیے" اور یوں اس کے ساتھ ہی ؎

ایک دن ان کے کوچے سے گزرا تھا میں
پھر یہی روز کا مشغلہ بن گیا

والا معاملہ ہو گیا، میں ان دنوں حافظ آباد میں مقیم تھا جب بھی لاہور آنا ہوتا دیال سنگھ ریسرچ سیل کا ایک چکر لازم ہو جاتا اور مرحوم سے کھل کر باتیں ہوتیں اور بعض اوقات تو وہ اپنے نائبین جناب حافظ غلام حسین صاحب اور حافظ سعد اللہ صاحب کو اپنے کمرے میں بلا کر شریکِ محفل کرتے اور فرماتے کہ آپ ان کا (میری طرف اشارہ کر کے) نقطۂ نظر سنیں ان کی باتیں بہر حال قابلِ توجہ ہیں آج مجھے حافظ غلام حسین صاحب اور حافظ سعد اللہ صاحب سے اور انہیں مجھ سے جو اُنسِ خاطر ہے اس کی تقریب مولانا مرحوم نے مہیا فرمائی تھی۔

۱۹۸۴ء میں دیال سنگھ ریسرچ سیل کے زیرِ اہتمام غالباً دو روزہ شاندار مذاکرہ منعقد ہوا جس کا عنوان تھا" اسلام میں حیثیت نسواں" اس سمینار میں جہاں شیخ الحدیث مولانا مالک کاندھلویؒ مدعو تھے وہاں مولانا متین ہاشمی مرحوم نے مجھ ایسے کم مایہ اور دُور افتادہ شخص کو بھی شریکِ مذاکرہ کرنا مناسب خیال فرمایا، جب میں اجلّ علماء اور نامور سکالرز کی موجودگی میں اپنا مقالہ پیش کر رہا تھا خود مجھے بھی عجیب سا احساس ہو رہا تھا لیکن مولانا مرحوم کی سر کی جنبش اور ان کی نگاہوں کا ارتکاز اور بعض اوقات لبوں پر ابھرنے والی خفیف سی مسکراہٹ میرے اندر اعتماد پیدا کر رہی تھی مقالہ چونکہ معتدل اور متوازن نقطۂ نظر کا حامل تھا جبکہ ماحول میں دو انتہاؤں کا غلبہ تھا ایک وہ راسخ العقیدہ علماء جو عورت کے گھر سے قدم نکالنے پر تعزیر

کا کوڑا لیے بیٹھے تھے اور دوسرے جو کھینچ تان کر قرآن و حدیث سے عورت کی "دوش بدوش" والی روش کو درست ثابت کر رہے تھے، بنابریں مولانا مرحوم نے بحیثیت صدر مجلس بطور خاص فرمایا کہ اس مقالے کے مندرجات پر ضرور غور ہونا چاہیے بعد میں وہ مقالہ سہ ماہی "منہاج" کے خصوصی نمبر میں اشاعت کا شرف حاصل کر چکا ہے۔

یہ تین حوالے میں نے محض اس لیے دیے ہیں کہ مولانا مرحوم کی شخصیت کا وہ دلکش پہلو سامنے آسکے جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ بدقسمتی سے بڑے لوگوں کے اندر سے کمیاب بلکہ نایاب ہوتا جا رہا ہے، آج کا دور علم کا نہیں علم کے اشتہار اور اعلان کا دور ہے مولاناؒ دیال سنگھ ریسرچ سیل کے ایک چھوٹے تکون نما کمرے میں بیٹھ کر اپنے علم و فضل کا لوہا منواتے رہے جب کہ آج کی روش یہ ہے کہ جب تک موچی دروازہ اور مینار پاکستان میسر نہ آئے کسی کو اپنے علم پر اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

مولاناؒ کے سامنے بیٹھ کر کبھی کبھار میرا ذہن یہ سوچتا رہتا کہ علم واقعی خدا کی دین ہے وہ کسی کا مال و منال، شکل و صورت جاہ و منصب، شجرہ و نسب اور قد کاٹھ دیکھ کر اسے علم عطا نہیں کرتا بلکہ کچھ اور خوبیاں ہوتی ہیں جو اسے علم کا حامل اور امین بناتی ہیں، مولانا مرحوم کے پاس آخر تھا ہی کیا جس سے مرعوب ہو کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا علم ارزاں فرما دیا بنگلہ دیش سے لٹے پٹے یہاں پہنچے، محمدی شریف جا کر دم لیا، ہوتے ہواتے لاہور پہنچے انتہائی غیر علمی مزاج کے محلے مصری شاہ میں قیام نصیب ہوا، چند روپوں میں تیار ہو جانے والا لباس، اوپر کھدر نما کپڑے کی معمولی سلائی کی شیروانی، مشت استخواں جثہ، منحنی قد، عام سی ٹوپی اور ہاتھ میں معمولی چھڑی، بس یہ تھے مولانا محمد متین ہاشمیؒ۔ ہم ایسے لوگ اپنی گاڑی رکھتے ہوں اور مولاناؒ کو صبح شام واسطہ رہا بیٹ بیٹ کر کے دماغ چاٹنے والے رکشا سے لیکن بایں ہمہ وہ لوگ اس کے گواہ ہیں جنہیں مولاناؒ کی صحبت میسر رہی یا فہم القرآن میں ان کی تقریر سننے کا موقع ملا، کہ جب وہ بولتے تھے تو دل کی دنیا کا سارا نظام تہہ و بالا کر کے رکھ دیتے تھے، کیا تاثیر تھی بات میں اور کیا درد بھرا تھا لہجے میں، وہ آنکھیں پارہ سنگ ہوں گی جو فہم القرآن میں ان کی تقریر سن کر بھر نہ آئی ہوں۔

ایک ایسا عالم جو ایک ادارے کا ڈائریکٹر ہو فہم القرآن کا مقرر ہو، متعدد علمی کتابوں کا مصنّف ہو مرحوم سراج منیر (جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے دل بھر آتا ہے) ایسے دانشور بیٹے کا باپ ہو، اور مزاج کے اعتبار سے منفرد ہو اس سے اختلاف کیا جائے اور وہ اختلاف بجائے موجب افتراق بننے کے اُلٹا باعثِ قرب قرار پائے کم سے کم آج کے دور میں ناقابلِ یقین بات ہے لیکن راقم الحروف کو تو اسکا ذاتی تجربہ ہے ورنہ میرے اور ان کے درمیان ربط و تعلق کا کوئی دوسرا قرینہ موجود نہیں تھا، میں ان کے بیٹوں کی عمر کا وہ ایک ادارے کے سربراہ اور میں بے روزگار آدمی، وہ قلم کے مشاق اور میں (اور اس کو بھی خوش فہمی سمجھا جائے)۔

لیکن یہ ان کی اعلیٰ ظرفی، اور برخورداری تھی جو مجھے ان کے قریب لے گئی، اور ان کی یہ ادا مجھے بھی زندگی کے کئی قرینے سکھا گئی۔

راقم الحروف کو بے شمار علماء، صلحا، اہل دانش اور اربابِ فکر و نظر کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہے اور ہر ایک سے بقدرِ استعداد استفادہ کیا اور ان کی خوبیوں کی نقل اُتارنے کی کوشش کی، مگر اس کے لیے بڑا حوصلہ درکار ہے کہ کسی کے اختلاف کو گستاخی قرار دینے کے بجائے فقط قابلِ معافی ہی نہیں زینۂ قرب بنا دیا جائے یہ وصف ہر اچھے اور بڑے انسان کی طرح مولانا مرحوم میں دیکھا اور آج ان کے حق میں مغفرت کے دعائیہ کلمات زبان و قلم پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے خصوصی قرب اور فضل سے نوازے، آمین

مفتی محمد عبد القیوم ہزاری (جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

آپ نامور محقق، دانشور، مصنف اور عالم باعمل تھے، ان کی ساری زندگی دینی، ملّی اور اسلامی خدمات سے عبارت ہے۔ علامہ مرحوم حنفی مسلک کے پابند تھے۔ تحقیقات میں ائمہ اسلاف کو ہی اپنا راہنما سمجھتے تھے۔ اور آئمہ مجتہدین کے بیان کردہ اسلامی اصولوں سے انحراف جیسی جدت پسندی

کے سخت مخالف تھے۔ ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ علم و فراست، نور ایمانی کا ثمر ہیں۔ لہذا یہ مرکز ایمان سے گہرے تعلق و روابط کے ذریعے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی حقیقت کے اظہار کو علامہ صاحب نے اپنی زندگی کا مشن قرار دیا اور زندگی کا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر علمی خدمات میں مصروف رہے۔

آپ نے دو قومی نظریہ پر پختہ یقین رکھتے ہوئے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور حصول پاکستان تک اپنی جد و جہد کو جاری رکھا اور قیام پاکستان کے بعد اپنی تمام خدمات مشرقی پاکستان کے سپرد کر دیں اور متصلب پاکستانی ہونے کے ناطے سے پاکستان کی بجائے بنگلہ دیش کے عنوان کو ناگوار خاطر پاکر فوراً انتقال مکانی کا فیصلہ کیا اور مغربی پاکستان تشریف لے آئے۔ اور یہاں پہنچتے ہی دینی اور ملی خدمات میں مصروف ہو گئے اور کسی نام و نمود اور تشہیر کے بغیر درس قرآن و حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ کے بصیرت افروز اور حکیمانہ انداز بیان نے کثیر التعداد اہل علم کو متأثر کیا۔

دیال سنگھ لائبریری کے شعبہ تحقیق کا انتظام سنبھالتے ہی آپ نے مؤثر منصوبہ بندی کے ذریعے اس کو جدید تقاضوں کے مطابق متحرک کیا۔ اس معطل اور جامد ادارہ کو حیات نو بخشی۔ اور مختصر مدت میں اس کو ملک کے مفید ترین قومی ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اور اس شعبہ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلہ کا اجراء فرمایا جس نے پورے ملک کے علمی اور تحقیقی حلقوں میں خوش آئند ارتعاش پیدا کر دیا۔

اس جریدہ کے شائع شدہ شماروں میں اسلامی فکر کے اہم موضوعات پر ریکارڈ تحقیقات پیش کی گئیں ہیں۔ جو علمی دنیا میں یادگار رہیں گی۔ اور مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم کی علمی خدمات کا اعتراف ثابت ہوں گی۔

مولانا مبشر احمد (دار العلوم الاسلامیہ لاہور)

اس دنیا فانی میں ہر شخص اور ہر متنفس نے بالآخر موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ خلّاق عالم نے

ہر ایک کے لیے دنیا سے جانے کا وقت مقرر فرما دیا ہے طوعاً و کرہاً ہر ایک کو امر خداوندی کل نفس ذائقۃ الموت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے بجز ذات باری تعالیٰ کسی کے لیے بقا و دوام نہیں اگرچہ ہر انسان نے جرعہ موت نوش کرنا ہے لیکن انسانوں میں تفاوت درجات اور فرق مراتب ہے کسی انسان کی وفات پر ایک آنکھ بھی رونے والی نہیں ہوتی کسی کی وفات پر احباب و اقربا کا ایک محدود طبقہ یا ایک قریہ کے مکین آنسو بہا لیتے ہیں لیکن کچھ باکمال شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی رحلت سے پوری امت مسلمہ صدمہ سے نڈھال ہو جاتی ہے جنکی مفارقت سے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے جن کی فرقت سے دینی، سیاسی، علمی مجالس بے رونق ہو جاتی ہیں انہیں متقدر ہستیوں میں ہمارے مخدوم نابغہ روزگار اخلاق حسنہ کے پیکر حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ اس وقت ہمیں داغ مفارقت دے کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میری پہلی ملاقات

ہاشمی صاحب سے مجھ ناچیز کی پہلی ملاقات بوساطت منبع العلوم حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ انکی مرقد پر بھی کروڑہا رحمتیں برسائے) ہوئی، باوجود اجنبی ہونے کے ہاشمی صاحب اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر مجھ سے معانقہ و مصافحہ کرتے ہیں۔ جبکہ میرے دل میں اس بات کا رعب چھایا ہوا تھا کہ میں ایک ادارے کے ڈائریکٹر سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں اور میں ان سے کیسے گفتگو کروں گا مگر انہوں نے مجھ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ مسکراتے ہوئے حال پوچھا اور فرمایا کہ کیا پسند کرو گے چونکہ موسم گرمی کا تھا تو خادم سے فرمایا جاؤ مولانا کے لیے پہلے شربت لاؤ پھر ان کو چائے بھی پلاؤ۔ میں آپ کے ان اخلاق سے متاثر ہو رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ بعینہ وہی اخلاق ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آنے والے مہمان سے اپناتے تھے تو میرے سامنے آپکی عملی زندگی بھی روشن ہو رہی تھی ورنہ عام طور پر اتنے بڑے عہدے پر فائز تو ڈھونڈے سے نہیں ملتا جو کسی کو اٹھ کر سلام کرے۔ پھر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرا تعارف کرایا تو فرمانے لگے ایسے گوہروں اور جوہروں کی تو مجھے بہت مدت سے تلاش ہے۔ مولانا آپ ہمارے رسالے منہاج کے لیے کچھ لکھیں، میں نے

اسکی حامی بھر لی اس کے بعد قاری عبدالرشید احمۃ اللہ علیہ نے اجازت چاہی تو ہمیں کھڑے ہو کر رخصت کیا۔ آپ کا یہ عمل تمام ڈائریکٹروں کے لیے مشعل راہ ہے۔

دوسری ملاقات

آپ کی اس پہلی ملاقات نے مجھے اتنا متاثر کر لیا تھا کہ دوسری ملاقات کے لیے دل بہت بے تاب تھا۔ میں جب دفتر میں داخل ہوا تو آپ شدید علالت کے باوجود نماز میں مصروف تھے۔ (جبکہ ہم تھوڑی سی تکلیف کو بھی ترک نماز کا عذر بنا لیتے ہیں) آپ نماز سے فارغ ہو کر کرسی پر تشریف لائے۔ حسب سابق چائے سے تواضع ہوئی میں نے اپنے مضمون کے متعلق حوالہ جاتی کتب کے نام دریافت کیے تو فی البدیہہ بہت سی کتابوں کے نام شمار کر دیے حتیٰ کہ کچھ کتابوں کی عبارتیں بھی سنائیں میں آپ کی علمی قابلیت سے حیران ہوا اور پھر اس عمر میں جبکہ حافظہ بھی ساتھ نہیں دیتا۔

آپ کی علمی مہارت

آپ ان علماء محققین میں سے تھے جن پر نہ صرف برصغیر بلکہ پورا عالم اسلام بجا طور پر فخر کر سکتا ہے آپ علم و فضل کے منارہ تھے آپ کو تمام علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اس کا اندازہ میں نے اس سے لگایا کہ جب بھی میں نے کسی مضمون کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فوراً اس موضوع پر حوالہ جات پیش کر دیے معلوم ہوتا کہ پوری لائبریری ان کو حفظ ہے، آپ کا علم و فضل زہد و تقویٰ کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ عالی ظرف وسیع القلب اور کریم النفس تھے آپ کی فراست، ذہانت بے نظیر تھی آپ کا عالمانہ وقار، بزرگانہ اطوار، درویشانہ شعار مجاہدانہ کردار و شجاعانہ یلغار بے مثال ہے آپ اپنے اسلاف و اکابر علماء دیوبند کی سچی تصویر تھے آپ اپنی ذات میں ایک ادارہ ایک تحریک اور ایک انجمن تھے۔

آپ کی تصنیفات

آپ کی تصنیفات ہر موضوع پر بے شمار ہیں جدید مسائل پر آپ کی ریسرچ بے مثل ہے میں آپ کی تصنیفات سے بہت متاثر ہوا۔ بڑے بڑے پروفیسرز و سکالرز آپ کی تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں میں نے آپ کے پاس اکثر اسی قسم کے اشخاص کو علمی تحقیقات کرتے ہوئے دیکھا۔

آخری ملاقات

میری آخری ملاقات آپ سے اس وقت ہوئی جبکہ آپ مرض الوفات میں صاحب فراش تھے میں حافظ عبدالحفیظ صاحب کے ساتھ آپ کے مکان پر عیادت کے لیے حاضر ہوا - جبکہ وقت آپ کی ملاقات کا نہ تھا اور ڈاکٹروں نے ملاقاتوں سے منع کیا ہوا تھا مگر آپ نے از راہ شفقت ہمارا نام سُن کر ملاقات کی اجازت عنایت فرمادی اور سیدھے ہوکر مصافحہ کیا اور خیریت دریافت فرمائی اس دوران بھی آپ لائبریری ہی کے متعلق دریافت فرماتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو لائبریری کے متعلق بہت فکر ہے - جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی آپ بدائع الصنائع اور الموافقات للشاطبی اور بعض دیگر کتب کی اشاعت کے متعلق بہت فکرمند نظر آتے تھے ہم آپ سے اجازت لے کر رخصت ہوئے تو فرمانے لگے مولانا دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اس کے چند دنوں بعد ہی آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے - اللہ تعالیٰ انکی قبر پر گوہر افشانی کرے ایک شعر ہے ؎

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ہاشمی صاحب آج اس دنیا میں نہیں ہیں بیشک اس قحط الرجال کے دور اور فقدان کمال کے زمانہ میں آپکی موت ایک غیر معمولی نقصان ہے لیکن آپکے افکار زندہ ہیں کردار زندہ ہے جو ایک روشن مشعل اور مینارۂ نور ہے آج ہمارے سامنے بے شمار مسائل ہیں اس کے لیے مسلسل محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے ہاشمی صاحب کی زندگی سوز و ساز رومی اور پیچ وتاب رازی کا صحیح معنوں میں مصداق تھی آپ کی شخصیت تاریخ کا سرمایہ اور ایک انمٹ روشن باب ہے آپ جیسے مدبر و محقق مشفق و مہربان رحم دل اور اخلاق حسنہ کے پیکر کا ملنا بہت دشوار ہے بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ

عطا ہوں راحتیں فردوس کی اسے یارب
تھا اسکے پیشِ نظر اسوۂ شہہ کونین

ڈاکٹر غلام محمد، اسسٹنٹ پروفیسر واپڈا کالج گدو (سندھ)

غالباً ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ راقم الحروف ایف۔اے کرنے کے بعد جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جامعہ میں عام چرچا ہوگیا کہ ہاشمی صاحب کو مولانا محمد ذاکر صاحب ناظم عمومی جامعہ نے شیخ الجامعہ کی اسامی پر مقرر کردیا ہے۔ راقم کو ابھی تک ان کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ ایک شام راقم کے ہم جماعت جناب ریاض حسین مرحوم کہنے لگے۔

"آؤ آپ کو ہاشمی صاحب سے ملاتے ہیں۔"

جامعہ محمدی کے مختصر سے مہمان خانہ کے عقب میں دو کمروں پر مشتمل سادہ سا ایک فیملی کوارٹر تھا۔ ہاشمی صاحب وہیں قیام پذیر تھے۔ راقم الحروف جونہی کوارٹر کے اندر داخل ہوا تو اچانک ایک وضع دار شخصیت پر نظر پڑی۔ جسم پر سیاہ شیروانی اور پاجامہ، سر پر جناح کیپ، ہاتھ میں چھڑی، چلتے وقت پاؤں میں ہلکی سی رکاوٹ، پیشانی پر مفکرانہ سلوٹیں، انداز و ادا میں متانت، غرض سنجیدگی، شرافت، عالمانہ دبدبہ اور وقار کا ایک مجسم پیکر۔ جسے دیکھ کر راقم کو پہلی بار معلوم ہوا کہ یہ ہیں۔

"جناب استادِ مکرم مولانا سید محمد متین ہاشمی۔"

آپ تقریباً ۲½ سال جامعہ محمدی میں شیخ الجامعہ رہے۔ اس عرصہ میں جامعہ کے ماحول میں زبردست تبدیلی آئی۔ طلبہ کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا۔ آپ نے طلبہ کی خفیہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ تقریر و تحریر میں ان کی تربیت کی۔ طلباء کی تربیت کے لیے انجمن طلباء قائم کی۔ جس کے پہلے صدر حافظ غلام حسین قائم مقام ڈائریکٹر ریسرچ سیل لاہور اور پہلے سیکرٹری جناب نصرت علی اثیر چیف لائبریرین دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور مقرر ہوئے۔ "العروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک رسالہ جاری تھا۔ آپ نے طلباء کو اس رسالہ کے مضامین لکھنے کے لیے اُبھارا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر جناب ریاض حسین مرحوم مقرر ہوئے۔

ایک دفعہ اخبار پہ خبر چھپی کہ برٹش کونسل لائبریری میں ایک رسالہ کے اندر حضور پاک صلی اللہ علیہ

وسلم کی فرضی تصویر شائع کی گئی اور اس پر لاہور میں جلوس نکالا گیا ہے۔ جامعہ کے طالب علم فوراً مشتعل ہو گئے جامعہ سے بھوانہ تک ایک عظیم الشان جلوس نکالا گیا۔ اور یہ اس علاقہ کی تاریخ میں پہلا جلوس تھا جو ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے نکالا گیا۔ طلباء اور اساتذہ نے جگہ جگہ یہود و نصاریٰ کے بُرے عزائم سے عوام کو آگاہ کیا۔ شام کو جب جلوس واپس آیا تو ہاشمی صاحب جامعہ سے باہر انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی اپنے نونہالوں کو دیکھا تو آپ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے خلاف ملک گیر احتجاج شروع ہوا تو اس سے کچھ عرصے پہلے ہاشمی صاحب کے نوجوان قادیانیوں کی ایک تبلیغی جماعت کی زبردست پٹائی کر چکے تھے۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا۔ تو اس اقدام کے محرک جناب غلام حیدر کو آپ نے "شاباش" دی۔ راقم الحرف کے سامنے بار بار آپ فرماتے تھے: وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ "انہیں ذلیل کرو ان پر سختی کرو۔

آپ کا یہ مخصوص انداز اب تک راقم کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ گویا آپ چھڑی بار بار زمین پہ مارتے تھے اور یہ الفاظ فرماتے تھے۔

اس کے بعد آپ جامعہ کو الوداع کہہ کر دیال سنگھ لائبریری لاہور میں ریسرچ ایڈوائزر کی پوسٹ پر آ گئے۔ بعد میں ریسرچ سیل کو مستقل طور پہ قائم کیا گیا۔ آپ ہی اس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اور آخری دم تک اس عہدہ پہ قائم رہے۔

راقم الحروف ۱۹۷۸ء میں جامعہ محمدی شریف سے لاہور آ گیا۔ اسی عرصہ میں راقم نے ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ ہاشمی صاحب کے مشورہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاری شروع کر دی جناب استاذ مکرم کو علم کیساتھ انتہائی شغف تھا۔ اپنے طلباء کو ہمیشہ یہی تلقین فرماتے تھے کہ: کم بختو! اس بڑھے سے کچھ سیکھ لو بعد میں پچھتاؤ گے"۔

واقعی آپ کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ کم از کم راقم الحروف تو بہت ہی سست ثابت ہوا۔ اب اپنے محسن کی باتیں یاد آتی ہیں۔ کہ کیوں نہ ہم نے ان پاکیزہ نصیحتوں پر عمل کیا۔

۱۹۷۹ء میں راقم الحروف کی تقرری بحیثیت لیکچرار واپڈا کالج گدو سندھ میں ہو گئی ساتھ ہی استاذ مکرم کے مشورہ سے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علمی کارنامے پہ تحقیقی مقالہ بھی جاری رکھا۔

اکثر و بیشتر خط و کتابت سے رابطہ رہا۔ آپ کے خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوتی رہی۔ ۱۹۸۴ء میں مقالہ مکمل ہوگیا۔ آپ نے بڑی شفقت سے سارا مقالہ پڑھا۔ حالانکہ آپ کو ذرا بھر بھی فرصت نہ تھی۔ بہت خوش ہوئے کہ بڑی محنت سے مقالہ تیار کیا ہے۔

۱۹۸۹ء میں پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ راقم الحروف کو پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی بندہ نے قبلہ ہاشمی صاحب کو لال رنگ کا گاؤن دکھایا اور سب سے پہلے انہیں پہنایا کہ اصل مستحق تو آپ ہیں۔ دوسرے دن ڈگری بھی دکھائی۔ بہت بہت خوش ہوئے۔

فرماتے تھے: "اللہ تعالیٰ برکت دے۔ اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔ جیتے رہو۔ اب میں یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان میں میرا ایک شاگرد پی۔ ایچ۔ ڈی ہے"

اس کے بعد بھی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا۔ جناب سراج منیرؒ کی تعزیت کے لیے راقم حاضر ہوا۔ آپ کی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی، راقم کافی دیر تک محزون مغموم بیٹھا رہا۔ جانے کے لیے رخصت لینے لگا تو فرمانے لگے۔

"دعا کرنا میرے گھر میں آٹھ یتیم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نگہبانی فرمائے"

دوسرے سال قبلہ ہاشمی صاحب پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ راقم الحروف کو بعد میں پتہ چلا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۹۱ئہ کو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا محمد ابوبکر بھی تھا۔ آپ کے کمرہ میں گئے۔ آپ پر نیند کا غلبہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہوئے۔ احقر نے اٹھ کر قدم بوسی کی۔ فرمانے لگے۔

"آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں"

عرض کی: حضرت! اب معلوم ہوا ہے۔ اسی لیے مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا ہوں فرمایا: "اچھا" "یہ آپ کا بیٹا ہے؟ اسے عینک لگوائی ہے۔ نظر گر رہی ہے؟ آپ نے استفسار فرمایا:

احقر نے عرض کی "جی ہاں" "یہ چھ پارے حفظ کر چکا ہے اور چوتھی جماعت میں پڑھ رہا ہے۔

یہ سن کر فرمایا۔ ماشاء اللہ کئی بار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ زیادہ

بوجھ نہ ڈالو۔ ابھی بچہ ہے۔

احقر نے عرض کی۔" اچھا"۔

چونکہ آپ کو زیادہ دیر بیٹھنا دشوار ہو رہا تھا۔ بار بار لیٹتے تھے اور اُٹھتے تھے۔ فرمایا" آپ چلے جائیں۔ مختصر عبادت کرنا سنت ہے" احقر نے کچھ ظاہر نہ پیش کیا۔ فرمانے لگے تکلف نہ کریں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے عرض کی۔ حضرت! آپ ناراض ہیں؟ فرمایا" نہیں" ناراض نہیں ہوں بھائی ناراض نہیں ہوں۔ دعا کریں۔ اپنے شیخ سے بھی میرے لیے دعا کرائیں۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے" پار کر دے یہ آپ کے آخری الفاظ تھے جو آج تک احقر کے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

اس وقت حالت سخت مایوس کن تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اب مجلس تصنیف و تالیف، برہم ہوا چاہتی ہے محقق زمان ہم سے جدا ہونا چاہتا ہے۔ ہم نے ان کی قدر نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ نعمت اپنے پاس اٹھالی۔ اور محسن مربی اور عظیم مصنف کی کتاب حیات کا آخری ورق الٹا جا رہا ہے۔ یہی ہوا ۱۰ ارجنوری ۱۹۹۲ء بروز جمعہ ۳ بجے شام اس عظیم مفکر و مدبر کی کتاب حیات تمام ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے خیال دوست اے بے گانہ ساز ماسوا
اس بھری محفل میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد گرامی "خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً" کے حوالے سے کائنات ارضی کو" دار المحن" اور" دار الامتحان" قرار دیا ہے تاکہ انسان مستعد، سرگرم اور فعال بن کر حسن عمل سے اپنے کردار کو نکھار بخشے اور اپنے آقا و مولا کی خوشنودی اور رضوان کو حاصل کر سکے۔

سید محمد متین ہاشمی مرحوم ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں جن کی شخصیت ایک طرف

تو علمی وادبی حلقوں میں جانی پہچانی ہے اور علوم قدیمہ اور علوم جدیدہ کا حسین امتزاج انکی شخصیت میں جھلکتا ہے اور دوسری طرف وہ روحانی الذہن حلقوں میں اسلام کے ساتھ اپنے والہانہ لگاؤ رکھنے، عشقِ رسولؐ سے سرشار ہونے اور روحانی عظمتوں کے امین اولیائے کرام سے عقیدت رکھنے کی بنا پر معروف ومقبول رہے ہیں ۔

اُن سے میرا تعارف پہلے پہل لاہور ریڈیو سٹیشن پر ہوا۔ جہاں وہ اپنی تقریر ریکارڈ کروانے کے لیے آئے تھے، مجھے استفادے کا موقع ملا۔ میں نے اُن کے خوش بیان اور شیریں مقال ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے چہرے پر یقین کا نور مشاہدہ کیا کہ بات محض حلق سے نہیں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے جذبات صادقہ کے ساتھ نکل رہی ہے۔ پھر بہت سے مواقع آئے کہ ریڈیو اور ٹی وی پر مشترک پروگراموں میں ان کا حسن رفاقت حاصل رہا ۔

پھر قدرت نے ایک اور حسین موقع فراہم کر دیا اور وہ یوں کہ محکمہ اوقاف نے ان کی مایۂ ناز تصنیف ۔

"سید ہجویر المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ۔ حیات وتعلیمات" راقم الحروف کو "نظرِ ثانی" اور مقدمہ تحریر کرنے کے لیے بھجوا دی، جس کے مطالعے سے ان کی شخصیت کے علمی وادبی کمالات کے ساتھ ساتھ اُن کے روحانی نکھار کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور اس تصنیف کی برکت اور حوالے سے محکمہ اوقاف کے توسط سے ان کے ساتھ کچھ علمی نشستیں بھی ہوئیں اور حضرت مولانا مرحوم نے سید ہجویر سے اپنی عقیدت کا اظہار اس بات سے فرمایا کہ جب وہ لاہور تشریف لائے تھے تو پہلے روز ہی سید ہجویر کے مزار پُر انوار پر حاضری دیتے تھے۔ پھر انہوں نے کچھ روحانی کیفیات اور اپنے مشاہدات کے ذکر سے روحانی لذت وحلاوت بخشی ۔

کہا جاتا ہے کہ علماء کرام اپنے علم وعرفان کے وفور کی وجہ سے اکثر آنے والوں کے ساتھ رعونت سے پیش آتے ہیں، لیکن میں نے حضرت مولانا مرحوم کو انتہائی متواضع اور منکسر المزاج پایا۔ چنانچہ چند ایک ترامیم اور مشورے جو راقم الحروف نے پیش کئے انہوں نے نہایت فراخدلی سے اور بخوشی قبول فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا ہاشمی مرحوم نے اپنی تقریر وتحریر سے علمی وادبی اور روحانی حلقوں پر اپنے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے انکی سعیٔ جمیل کو شرف قبول عطا فرمائے اور ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے ۔ آمین

ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، لیکچرار شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مولانا سید متین ہاشمی مرحوم کی شخصیت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، وہ دیندار اور صاحب کردار انسان تھے، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے ترجمان مجلہ "منہاج" کے اداریوں سے یہ ثابت ہے کہ انھیں ملت اسلامیہ نیز اسکے مسائل سے خصوصی تعلق تھا مولانا اداریہ میں اس بات پر زور دیتے کہ پاکستان کی تمام سرگرمیاں اسلامی خطوط پر استوار ہوں. فقہ اسلامی کو مولانا نے اپنی تحقیق کا مرکز و محور قرار دیا اور اسی میدان میں آپ کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں جاری رہیں. علمی حلقوں میں آپ کی فقہی خدمات بخوبی معروف ہیں۔

۱۹۸۴ء کے بعد سے میرا بارہا پاکستان جانا ہوا۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ میں کتنی مرتبہ مولانا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، لیکن نیاز حاصل کرنے کے کئی مواقع ملے۔ پاکستان پہنچنے کے بعد مولانا سے ملنا میرا اوّلین فریضہ ہوتا۔ ہر ملاقات میں مولانا نے مجھے وہ غیر معمولی محبت و شفقت بخشی جس کی آج کے دور میں دور دور تک کوئی مثال نہیں ملتی۔ ضیافت میں بھی مولانا اپنی مثال آپ تھے۔ دیال سنگھ لائبریری آنے والے مہمانوں کی خوب خاطر و مدارات کرتے. مجھ خاکسار کو جو اعزاز بخشا اسے تا دم زیست فراموش نہیں کر سکتا۔ ان کے اقوال و افعال میں مومنانہ شان نظر آتی. مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ہر ملاقات میں پاکستان اور مختلف ملی مسائل پر گفتگو کرتے. ملت اسلامیہ کے مسائل ان کے نزدیک بڑے اہمیت کے حامل ہوتے۔ مسلمانوں کی حالت زار پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ مسلمانان ہند کے متعلق بھی مجھ سے بہت سارے سوالات کرتے۔ وہ ان کی سیاسی اور معاشی صورتحال کے سلسلے میں بہت فکرمند تھے۔

یہاں یہ مولانا کی ایک خصوصی گفتگو کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ گفتگو کے آغاز سے قبل یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کا مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے گہرا تعلق تھا۔ پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے سلسلے میں مرحوم صدر نے مولانا سے بارہا تبادلۂ خیال کیا مرحوم صدر کی شہادت کے چند دنوں بعد میں مولانا کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوا۔ باتوں ہی باتوں میں مرحوم صدر کے حادثہ کا ذکر آیا تو مولانا نے اس موضوع پر یہیں سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا کہ یہ حادثہ دشمنانِ اسلام کی سازش کا نتیجہ تھا۔ مرحوم صدر مخالفینِ اسلام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھے وہ ہر طرح سے ان کی راہ کے روڑے بنے ہوئے تھے، ان کے علاوہ بہت سے مناصب کے خواستگار پاکستانی علماء بھی ہر وقت مرحوم صدر کی مخالفت کے درپے رہتے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی شہادت کے بعد انھیں عقل آئی اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ یہی اس قوم کا بہت بڑا المیہ ہے کہ اپنے قائدین کی خدمت کا اعتراف ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد کرتی ہے۔ مولانا نے بتایا کہ پہلی بار پاکستان کو اس قدر مخلص۔ راست باز اور ایماندار قائد ملا تھا۔ دوران گفتگو مولانا نے میری کرسی کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے بتایا کہ یہ وہی کرسی ہے کہ جس پر مرحوم صدر بیٹھ کر مجھ سے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں اس وقت باتیں کر رہے تھے جس وقت وہ یہاں تشریف لائے تھے۔ مرحوم صدر کے لب و لہجہ سے یہ بات پوری طرح عیاں تھی کہ وہ ملت اسلامیہ اور مملکت خدا داد کے تئیں کس قدر مخلص تھے۔ مولانا یہ باتیں کرتے جا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو پونچھے جا رہے تھے۔

مولانا کے لائق فرزند، ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر اور مشہور افسانہ نگار۔ ادیب اور شاعر مرحوم سراج منیر کے انتقال کے بعد جب میں مولانا کی خدمت میں تعزیت کے لیے حاضر ہوا تو دیکھا کہ لائق بیٹے کی موت کا آپ پر حد درجہ اثر ہے مجھے یہ حالت دیکھنے کے بعد محسوس ہوا کہ یہ غم تو مولانا کے لیے جان لیوا ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بیٹے کے انتقال کے ایک سال تین ماہ بعد جنوری ۱۹۹۲ء میں اپنے ربِ حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم سراج منیر کے بارے میں یہاں بتا دینا مناسب ہوگا کہ وہ پاکستان کے ادبی حلقوں میں بڑی

قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ ان کے انتقال کے بعد بہت سے پاکستانی رسائل نے ان پر خصوصی مضامین لکھے ۔ سراج منیر صاحب کے اندر اچھی تنقیدی بصیرت تھی، مشہور شاعر سلیم احمد کے دیوان چراغ نیم شب پر ان کا بڑا عالمانہ مقدمہ ہے ۔

مولانا کی خدمات میں یہ بات اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انہوں نے مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کی سربراہی کے فرائض انجام دیے فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر انکے گرانقدر مقالات منہاج ہی میں شائع ہوتے رہے ، اس کے علاوہ مرکز تحقیق دیال سنگھ سے آپ نے بہت سے مصنفین کی کتابوں کو شائع کیا حال ہی میں مولانا مجیب اللہ صاحب کی کتاب " اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات " اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب (اصلاحی و علیگ) کی کتاب

کو اس ادارہ نے شائع کیا ہے ۔ خدا کرے یہ ادارہ یوں ہی علمی دنیا کو اپنی علمی خدمات سے نوازتا رہے ۔ مولانا کی خدمات جلیلہ کو بارگاہِ ایزدی میں شرف و قبولیت حاصل ہو ، انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب ہو ۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنی رحمتوں سے بھر دے ۔ نیز انکے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے ۔

ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی

سینئر ریسرچ ایڈوائزر وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد۔

حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم سے میرے بہت گہرے اور قریبی مراسم رہے۔ علم، عمر، مرتبے اور مقام کے ہر طرح کے فرق کے باجود میرے اور ان کے تعلقات انتہائی رفیقانہ ورحد درجہ بے تکلفانہ تھے۔ میں نے سفر و حضر میں ان کی زندگی کے ہر پہلو کو بہت قریب اور غور سے دیکھا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کے نقوش میرے وجود پر اس قدر گہرے مرتسم ہوئے ہیں کہ ان کی شخصیت کسی وقت میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مولانا سید محمد متین ہاشمی رحمہ اللہ ایک بہت ہی جید عالم دین، صوفی باصفا عالم باعمل انسان تھے۔ علم میں اس قدر وسعت اور پہنائی تھی جس کی کوئی مثال آج کے دور میں ملنا بہت مشکل ہے۔ اسلامی علوم پر گہری نظر کے ساتھ مغربی علوم وافکار سے بھی آشنا تھے۔ سب سے اہم بات جو آج کے دور میں سیاسی انتشار، معاشرتی عدم توازن اور معاشی استحصال کے نتیجے میں منظر عام پر آنے والے علماء میں مفقود ہے وہ یہ ہے کہ ہاشمی صاحب کا ظاہر و باطن ایک تھا بلکہ اس صوفی کا باطن اس کے ظاہر سے کہیں زیادہ مجلیٰ اور مصفی تھا۔ ان کی ذات کی بوقلمونی کا اندازہ ان کے قریب رہ کر ہی کیا جاسکتا تھا۔ ظاہر میں تو وہ صرف مرد درویش تھا، فقیرانہ زندگی، درویشانہ طرز حیات، طلبی دنیا سے بے نیاز، کشمکش حیات سے بے پرواہ، نہ عزت و منصب کے طالب نہ مال ومنال کے متمنی، ظاہر سے زیادہ باطن پر زور، علم کو عمل کا ذریعہ ماننے والے، ہمہ وقت آخرت کی کامیابی کی جستجو، ہر وقت اسوۂ حسنہ پر عمل کی آرزو سلف صالحین سے محبت، عشق نبوی ﷺ کے پیکر، عابد شب زندہ دار، زاہد بے نیاز، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، "نگہ بلند سخن دلنواز جان پر سوز"------ ان کے اوصاف و خصائص کا یہ مختصر سا خاکہ ہے جو میں نے ان کی شخصیت میں جلوہ گر دیکھا۔ مجھے بھی اسی کی تلاش تھی جو کہیں نہیں ملتا تھا وہ گلیم پوش مجھے سید ہاشمی کی صورت میں نظر آیا۔

مجھے تلاش تھی جس کی وہ کلیم تو ہی تو ہے

مولانا مرحوم اس ناچیز سے ایک التفات خاص رکھتے تھے۔ اس تعلق و محبت میں کوئی حجاب نہ تھا، یہ ہر دنیاوی اور ظاہری آلودگی سے منزہ تھا، اس عنایت خاص کی وجہ خود میں نہیں بلکہ میرے والد مرحوم حضرت مولانا اشفاق الرحمن صدیقی کاندھلوی رحمہ اللہ اور ان کا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق خاص تھا۔ اس تعلق کا مولانا اس قدر اہتمام اور اظہار فرماتے تھے کہ اکثر راقم الحروف شرمسار سارہ جایا کرتا تھا۔

کہاں میں کہاں وہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

یہ ایک بڑی روح فرسا حقیقت ہے کہ بعض عظیم شخصیات کا جس وقت قرب حاصل ہوا اس وقت ان کی جلالت علمی اور عظمت کردار کا صحیح اندازہ نہ تھا اور جب یہ شعور حاصل ہوا تو وہ شخصیات باقی نہ رہیں۔ انا اللہ والی اللہ المشتکی۔

مولانا سید محمد متین ھاشمی رحمہ اللہ کے بارے میں چند سطور لکھنے کا ارادہ کیا تو کسی کے یہ اشعار ذھن پر چھاتے چلے گئے۔

لقد لا منی عند القبور علی البکا
رفیقی لتذر اف الد موع السوافک

فقال اتبکی کل قبر رأیته
لقبرسوی بین اللوی فالد کاک

فقلت له ان الشجی یبعث الشجی
فدعنی فهذا کله قبر مالک

جناب محمد حسنین بھٹی صاحب

قائم مقام چیئرمین متروکہ وقف املاک بورڈ، حکومت پاکستان، لاہور۔

مجھے مولانا متین ھاشمی مرحوم کا بہت زیادہ قرب تو حاصل نہیں رہا تاہم دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری اور مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) کے متروکہ وقف املاک بورڈ کے زیر انتظام ہونے کی وجہ سے ایک گونا تعلق اور واسطہ ضرور رہا ہے۔ اس پندرہ سولہ سال کے طویل تعلق کے دوران میں نے ھاشمی صاحب مرحوم کی ایک خوبی خاص طور پر نوٹ کی ہے۔ یہ خوبی بہت کم اور خال خال لوگوں میں نظر آتی ہے۔

ہر انسان کی ذاتی ضروریات، مشکلات، پریشانیاں اور مفادات ہوتے ہیں مگر ھاشمی صاحب مرحوم نے ذاتی اور نجی نوعیت کے دنیوی مفادات اور مراعات کیلئے عام لوگوں کی طرح کبھی بھی بورڈ کے طواف نہ کیے۔ محکمہ نے از خود جو کچھ دے دیا اسی پر صابر و قانع ہو کر کمال استغنا سے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے دیانت داری اور لگن سے کام کرتے رہے۔
میں سمجھتا ہوں ھاشمی صاحب مرحوم جیسا عالم فاضل، تجربہ کار اور کئی کتابوں کا مؤلف آدمی کسی بڑے علمی و تحقیقی ادارے سے رابطہ کرتا تو یقیناً وہ ادارہ ھاشمی صاحب کو لینے میں فخر محسوس کرتا اور سر آنکھوں پر بٹھا کر جگہ دیتا۔ مگر اس مرد درویش اور مرد قلندر نے ریسرچ سیل کے ایک چھوٹے سے تکون نما کمرے میں علم دین اور ملک وملت کیلئے اپنی جملہ خدا داد صلاحیتوں کو وقف کیے رکھا۔ میرا جب بھی لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا مرحوم کو اپنے دفتر میں لکھتے لکھواتے اور کام کرتے ہی دیکھا۔ بڑھاپے، علالت اور کئی طرح کے عوارض کے باوجود مرحوم نے ریسرچ سیل کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنایا اور اس ادارے کا نام روشن کیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا متین ھاشمی مرحوم جیسی برگزیدہ شخصیتیں

"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

کے مصداق روز روز جنم نہیں لیتیں۔ مولانا مرحوم کے اٹھ جانے سے علمی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا واقع ہو گیا ہے۔ مولانا کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ علمی نقصان کے علاوہ میں سمجھتا ہوں ہم لوگ ان کی روحانی اور باطنی برکات سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ بورڈ کی

طرف سے مولانا مرحوم کو خراج تحسین پیش کرنے کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ ہم ان کے قائم کردہ مرکز تحقیق کو مولانا کی قائم کردہ بنیادوں پر چلانے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر

استاذ الحدیث والفقہ ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ مولانا سید محمد متین ھاشمی کے متعلق یہ مقولہ مناسب ترین ہوگا۔ "ھوارجل فی واۃ فی رجل" آپ میدان علم و عمل کے شہسوار تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی کو دین اسلام کی خدمت، حفاظت اور دفاع کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ آپ بیک وقت علوم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم حدیث و فقہ کی بھی ماہر تھے۔ آپ فقہ میں تقابلی مطالعہ کیا کرتے تھے۔ مسائل کے اخذ ورد میں آپ بہت زیادہ وسیع الظرف تھے۔

مجھے ذاتی طور پر مولانا مرحوم سے بہت مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی کے بارے میں آپ سے مشورہ لیا۔ چونکہ میرا موضوع "ابن حزم رحمہ اللہ کے اقتصادی اسلامی افکار" تھا۔ اس پر سید صاحب رحمہ اللہ نے علامہ ابن حزم کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا "ابن حزم ظاہری کہلانے کے باوجود بہت زیادہ وسعت خیال بھی رکھتے تھے۔ ابن حزم نے معاشی کفالت کا جو تصور پیش کیا ہے۔ وہ اسلامی روح کے عین مطابق ہے اور جدید مسائل (مشکلات) کا حل بھی انہوں نے پیش کیا ہے۔

ابن حزم کی کتاب "المحلی" کے متعلق بھی ان کا خیال تھا کہ یہ بہت ہی مفید فقہی اور اقتصادی مسائل پر مشتمل کتاب ہے۔ انہوں نے "قیاس" کو نہ مانتے ہوئے بھی نصوص کے عموم سے بہت سے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

الغرض سید ھاشمی صاحب سے ملاقات کے بعد میرا یہ تاثر تھا کہ آپ ہر میدان کے شہسوار تھے۔

جناب نذیر احمد غازی صاحب

اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل، لاہور ہائی کورٹ، لاہور۔

زندہ قومیں اپنی زندگی کا سفر جس خوبصورت انداز سے طے کرتی ہیں یہی جمالیاتی رویہ تاریخ کے حسن کو دوبالا کرتا ہے اور زندگی زندہ انداز میں اگلی نسلوں تک منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت اتنی عام ہے کہ افراد ہی زندہ قوموں کا ستون ہوتے ہیں۔ افراد کے کردار ہی معاشرے کی سمتوں کا تعین کرتے ہیں اور افراد کے چلن ہی سے زیست کے روشن راستے کشادہ ہوتے جاتے ہیں۔ ایک زندہ دل کا قول حوالۂ قانون بن جاتا ہے۔ ایک شخص بیدار مغز کا فکر عظیم سلطنتوں کا آئین ملک گیر قرار پاتا ہے۔ ایسے ہی صاحبان فکر و نظر دلوں کی بستیوں میں روشنی و آگاہی کا اہتمام کرتے ہیں۔

دل کی خلوت گاہ سے لیکر رزم حیات کی جلوت گاہوں میں ایسے ہی رجل رشید اپنی صلاحیتوں کا فیضان تقسیم کرتے ہیں۔ اور زمانے کی زمام برداری ایسے ہی نابغہ ہائے روزگار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

برصغیر پاک وھند میں حیات انسانی کے حوالے سے اتنے جری اور قدر آور افراد پیدا ہوئے ہیں کہ ان کی ذات ایک مکمل انجمن ہے۔

صوبہ بہار مسلم علم وثقافت کے حوالے سے ایک مردم خیز خطہ ہے۔ علمائے حق اور صوفیا کرام کی اس عظیم آماجگاہ نے ملت کو ایسے عبقری افراد مہیا کیئے ہیں۔

ع۔ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

ایسے ہی کواکب درخشندہ میں ایک پرضیاء نام مولانا سید محمد متین ھاشمی مرحوم کا ہے۔ مولانا مرحوم ایک صاحب فضیلت، متبحر عالم دین تھے۔ سراپا دیکھ کر ہی اندازہ ہوجاتا تھا کہ علم کا ایک مجسمہ چلا آرہا ہے۔ گفتگو کی متانت ان کے علمی وقار کا پتہ دیتی تھی۔ مولانا مرحوم ایک روایتی مولوی نہیں تھے۔ ان کے سینے میں دھڑکتا دل ملت اسلامیہ کے درد سے معمور تھا۔ جب

حدیث دل بیان کرتے تو سامعین انکی عظمت فکر کے قائل ہوجاتے تھے۔ ملت اسلامیہ کی وحدت اور غلبہ اسلام کیلئے ان کی علمی خدمات ہماری قومی تاریخ کا ایک مقدس ورثہ ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے متحدہ پاکستان کے الیکشن میں مولانا مرحوم نے پاکستان کی سالمیت کے نمائندے کے طور پر حصہ لیااور اپنی تمام تر قوتیں علیحدگی پسندی کے خلاف صرف کردیں۔
مکتی باہنی کی چیرہ دستیوں نے محب وطن پاکستانیوں کو چن چن کر قتل کیا۔ مولانا مرحوم کے ایک شاگرد نے بڑی مشکل سے آپ کی جان بچائی۔
سقوط ڈھاکہ کے بعد مولانا پاکستان تشریف لے آئے اور پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں جامعہ محمدی شریف (ضلع جھنگ) میں شیخ الجامعہ کے طور پر تدریس علوم اسلامیہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ مولانا کا طریق تدریس اتنا جاذب اور پرکشش تھا کہ جامعہ کے علماء بھی ان پر رشک کرتے تھے۔ ھاشمی صاحب مرحوم کی علمی شخصیت اسقدر متوازن اور تحقیقی تھی کہ ہر مکتب فکر میں ان کا برابر احترام کیا جاتا تھا۔ جدید وقدیم علوم کا سنگم یہ متوازن عالم دین جب ٹیلیویژن پر درس قرآن دیتا تو سامعین وناظرین کی قلبی گہرائیاں ان کی شخصیت اور افکار کو جذب کرلیتی تھیں۔ سرکار دوعالم ﷺ کے ذکر مبارک اور نبی پاک ﷺ کی تبلیغی مساعی کا تذکرہ اس محبت بھرے انداز سے فرماتے کہ سامعین کی آنکھیں نمناک ہوجاتی تھیں اور گفتگو کا مدار سرکار دو عالم ﷺ کی ذات ہی ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے اتحاد اور ملت اسلامیہ کی سلامتی کیلئے مولانا ھاشمی ایک وسیع اور قابل عمل نکتہ نظر رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کے حوالے سے اس بات پر زور دیتے کہ کتاب وسنت سے وابستگی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس سے غیر مشروط وفاداری ہی مسلمانوں کو اتحاد کا حقیقی ماحول عطا کرسکتے ہیں۔ فتنہ انکار سنت کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن کی غیر اسلامی تشریحات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور اب قرآن کو بجائے کتاب ہدایت کے کتاب ادب بنانے کی نئی سازشیں ہورہی ھیں۔ فقہ اسلامی کے باب میں مولاناھاشمی کا تذکرہ اس قدر بلند اور زریں ہے کہ آئندہ سالوں میں آنے والے نئے محققین کیلئے ایک راہ روشن قائم کردی گئی ہے۔ اسلامی نظام انصاف وعدالت کیلئے قیمتی مقالات تحریر کئے، متعدد کتب کے تراجم کرائے۔ مختلف موضوعات پر تحقیقی رسائل تیار کروائے، سہ ماہی رسالہ منہاج میدان تحقیق میں روشن منارہ ہے۔ تیس سے زائد کتب مرحوم کی ثقاہت علمی پر ایک روشن دلیل ہے۔ ہر کتاب اپنی جگہ ایک مستقل علمی

دستاویز ہے۔ سید ہجویر علیہ الرحمہ نامی کتاب تصوف پر ایک معیاری اور فکر انگیز تحریر ہے۔ شریعت اسلامیہ کے تناظر میں پاکستان کے عدالتی نظام کی ضروریات ایک اہم ترین مسئلے کے طور پر سامنے آئیں۔ جدید ذھن کے لوگوں کو اسلامی نظام عدالت و انصاف سے کما حقہ واقفیت نہیں تھی۔ ملی تاریخ کے اس نازک موڑ پر ھاشمی صاحب نے وہ کوہ گراں سر پر اٹھایا کہ کسی دوسرے شخص کی ہمت نہیں تھی۔

مجھے ان سے ملاقات کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسلامی دفعات کے حوالے سے موجودہ عدالتی نظام میں جب بھی مشکلات کا سامنا ہوتا تو ھاشمی صاحب کی پختہ اور متوازن رائے ہمیشہ میری رہنمائی کا سبب بنتی تھی۔ وہ گھنٹوں دلائل پر گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ نظام عدل و انصاف کا کمپیوٹر چل رہا ہے۔

ھاشمی صاحب نے اپنے زیر نگرانی جو علمی و تحقیقی کتب تیار کروائی ہیں وہ ایسے صاحبان علم و فضل افراد کا کارنامہ ہیں جن کی تربیت بھی ھاشمی صاحب نے خود کی تھی۔

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کی مطبوعات اب پورے عالم اسلام میں اپنی افادیت کے لحاظ سے مسلم ہیں۔ تحقیق کے نئے انداز نے اسلامی فقہ کو اردو کے لباس میں منتقل کرنے کا کام آسان کر دیا ہے۔ اس امر عظیم میں ھاشمی صاحب مرحوم کی بنیادی کوششوں کو کافی دخل ہے۔

احیائے علوم اسلامیہ اور فکری جہتوں کا جب بھی تناظر پاکستان میں ذکر آئے گا تو ھاشمی صاحب کا نام اس ذکر میں اچھے اور قابل قدر پیرائے سے ہوگا۔

چوہدری سردار محمد صاحب

انسپکٹر جنرل پولیس، پنجاب۔

روشن آنکھیں، کتابی چہرہ، ستواں ناک، قدرے مائل بہ گندم رنگ، سر پہ کالی قراقلی جناح کیپ، جاذب نظر کالی شیروانی، ایک متوازن اور نظروں میں کھب جانے والا سراپا مولانا متین ھاشمی کا ہے۔

عوام الناس انہیں خطیب یگانہ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اور ان کا خطبہ دلنشین ان کے دلوں کو جذبات صالحہ سے معمور کرتا ہے۔ وہ کبھی برسر ممنبر حیات مستعار کے چلن بتاتے ہیں اور کبھی خالق و مخلوق کے رشتے کی حقیقت اور محبت کا بیان کرتے ہیں۔

یہ مولانا ھاشمی جب اپنے دفتر میں تشریف رکھتے ہیں تو ایک نابغہ مدیر کے لباس میں علماء اور طلباء کی علمی تشنگی کی سیرابی کا سامان عطا کرتے تھے۔ ملکی اور ملی مسائل کے حوالے سے ان کی خدمات علمی حلقوں میں زبان زد خاص و عام ہیں اور ان کی زندگی پر تحریر و تقریر کے مختلف زاویئے ان کے علمی کارناموں کو روشن سے روشن تر کرتے ہیں۔

مولانا کی زندگی کا امتیازی اور انوکھا پہلو خاموشی تھا۔ خاموشی کے رویے میں آنکھوں سے پیغام دینا اور عمل کی قوت سے افراد میں مقناطیست پیدا کرنا ان کی قابل بیان خوبی تھی۔ محفل میں بیٹھ کر اپنے وجود کا نہایت مثبت تاثر اہل محفل کو اس خوبصورت سلیقے سے منتقل کرتے کہ باد بار جی چاہتا تھا کہ ان سے ملاقات کی جائے۔ شریعت اسلامی کے نفاذ کے حوالے سے علمی اور تحقیقی ذوق کے حامل افراد کا ایک جم غفیر میدان عمل میں آگیا تھا اور بعض دفعہ تو یوں محسوس ہوا کہ ہم نے پاکستان بننے کے بعد صرف محقق اور فقیہہ پیدا کئے ہیں لیکن فقہ اسلامی کا پرمتانت مزاج اپنے حاملین پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ مولانا میں یہ پاکیزہ تاثر بہت زیادہ پایا جاتا تھا اور یہ عمدہ صفت انہوں نے اپنی ذات تک ہی محدود نہ رکھی بلکہ اپنی اولاد میں وراثتاً اور تربیت کے پہلو سے منتقل کردی۔ ھاشمی صاحب کے بڑے صاحبزادے سراج منیر مرحوم ہمارے عہد میں ملت اسلامیہ کیلئے ایک نعمت خدا وندی تھے۔ فکر اور اسلوب بیان میں ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ ان کی ادا و کلام ہر نوجوان مفکر و مدبر کیلئے قابل

رشک ہوتی تھی۔ مرحوم سراج ہمارے حلقہ یاراں میں مانند شمع تھے۔ خود جلتے اور دیدہ اغیار کو بینا کرنے کی ہر سعی بروئے کار لانے کی ہمت باندھتے تھے۔ سراج کے دوست اس کی رحلت پر کہتے تھے کہ گردش زمانہ نے ہمارے دلوں کے روشن چراغ بجھا دیئے اور سوچ کی ضیائیں سلب کر لیں۔ قنوطیت کی سی کیفیت میں قل خوانی کی تقریب میں ھاشمی صاحب نے ایصال ثواب کیلئے خود ہی دعا کی۔ مجھے دعا کے الفاظ آج بھی یاد آتے ہیں تو استقامت اور شکر کی حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اعلیٰ اخلاقی صفات انسان کو کتنا عظیم بنا دیتی ہیں۔ مولانا پرسکون اور اطمنان کے لہجے میں یہ دعائیہ الفاظ ادا کر رہے تھے کہ

اے بار الہٰ سراج تیری ہی امانت تھا تو نے اسے واپس بلا لیا۔ اس کی مغفرت کر اور مجھے تو بس صبر ہی عطا کر مجھے تو بس صبر ہی دے دے۔

اے خالق و مالک دو جہاں!

میری صبر سے دستگیری فرما!

اور واقعی صبر ہی سے فکر اور وجود مجتمع رہتا ہے۔ ورنہ ہر مرنے والے کے غم واندوہ میں کئی مرنے والوں کے جنازے اٹھیں اور زندگی کا سفر مکمل درد و غم کا نغمہ جاں فرسا بن جائے۔ متعجب ہوں کہ رب کریم نے دو ایک ہی سال میں نہ صرف سراج منیر کو بلکہ اس سانچہ و قالب کو بھی واپس بلا لیا جس میں سراج جیسے لوگ ڈھل سکتے تھے۔ میں کیا جانوں کہ مشیت خداوندی کیا ہے؟ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ باپ بیٹے کیلئے اب دل سے دعا ہی نکلتی ہے۔ رب کریم قبول فرمائے۔ آمین۔

جناب منصور رشید قریشی صاحب

ابن علامہ عبد الرشید ارشد صاحب مصری شاہ، لاہور۔

مولانا سید محمد متین ھاشمی صاحب میرے والد علامہ عبد الرشید ارشد مرحوم ومغفور کے انتہائی قریبی دوستوں میں سے تھے۔ والد صاحب کی زندگی میں تو صرف سلام دعا کی حد تک آشنائی تھی۔ انکے پاس جب بھی حاضر ہوتے یا وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تو ان کی باتیں

خاموشی سے اور توجہ سے سنا کرتے تھے۔ سب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب مولانا مشرقی پاکستان سے براستہ بھارت لاہور تشریف لائے۔ آپ اک موریہ پل مصری شاہ کے قریب مالواڈہ ہاؤس میں میاں وحید اور میاں معید صاحبان جو تحریک پاکستان کے عظیم رہنما عبد العزیز مالواڈہ ایڈووکیٹ کے خاندان سے ہیں، کے گھر قیام پذیر تھے۔ مولانا والد صاحب کو روتے ہوئے انتہائی پرتپاک انداز سے ملے اور میرے ساتھ بھی انتہائی شفقت سے پیش آئے۔ مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننا۔ ان کی زندگی کا عظیم المیہ تھا۔ آپ نے بتایا کہ پاکستان کی بقا میرا جزو ایمان ہے۔ مکتی باہنی اور انڈین آدمی میری جان کے دشمن تھے۔ مجھے زندہ یا مردہ پکڑنے والے کو نقد انعام کا اعلان کردیا گیا مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اللہ مجھے اپنی حیرت انگیز قدرت سے ان دشمنان ملک ودین سے بچا کر یہاں لے آیا ہے۔ آپ لاہور پہنچ کر مالواڈہ ہاؤس میں تقریباً دس سال قیام پذیر رہے۔

آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے "تحریک ولی اللہی پاکستان" قائم کی۔ پہلے اجلاس میں والد صاحب کے ساتھ میں تھا اس میں میاں وحید، ڈاکٹر جان محمد، نبی احمد لودھی، ڈاکٹر محمد الیاس قریشی ہومیو پیتھک والے کے علاوہ کافی بزرگوں نے شرکت کی۔ یہ اجلاس مالواڈہ ہاؤس کے اس کمرہ میں منعقد ہوا جہاں قائد اعظم اور گاندھی ہی نہیں بلکہ برصغیر کا ہر لیڈر آچکا تھا۔ اس کے بعد ہمارے گھر اجلاس ہوتے رہے آئین بنایا گیا۔ مولانا نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس شروع کیا۔ ہر ہفتہ درس کی نشست ہوتی۔ تشنگان علم یہاں سیراب ہوتے رہے۔ کم عمری اور ناسمجھی کے باعث میں کبھی کبھار غیر حاضر ہوجاتا تو مولانا فرماتے "درس میں ضرور آیا کرو۔ انشاء اللہ تجھے بھی عالم بنا دوں گا۔ تحریک ولی اللہی پاکستان کے زیر انتظام ایک فری ڈسپنسری قائم کی ۔انچارج ڈاکٹر شوکت قریشی صاحب تھے۔ آپ کے درس پر مبنی پمفلٹ "ولی" کے نام سے شائع کرنا شروع کیئے۔ اس کے خرچہ کا انتظام محمود احمد باجوہ اور شفیق احمد کیا کرتے تھے۔ پمفلٹ مولانا ہی تیار کرتے مگر صفحہ اوّل پر میرا اور بھائی سراج منیر مرحوم کا نام بطور ناشر شائع کرتے۔ مولانا علالت کے باعث مصری شاہ آنے میں کچھ دقت محسوس کرنے لگے تو آپ نے رہائش گاہ کے قریب ہی حضرت سید برھان شاہ رحمہ اللہ کے مزار مبارک سے ملحقہ مسجد میں ہر اتوار بعد نماز مغرب درس دینا شروع کیا۔ بہترین انداز بیان اور پر مغز تقاریر نے

یہ اثر دکھایا کہ قریب و جوار کے چھابڑی فروش، موچی، دوکاندار بھی اس درس میں شرکت کرتے۔ اسی کی بدولت آج وہ سب نمازی ہیں۔ مولانا ان سب کی دل کی گہرائیوں سے عزت کرتے۔ ان کی ہر غمی خوشی میں شریک ہوتے۔ اپنی بھی ہر خوشی غمی میں ان کو شریک رکھا۔ کبھی کسی کو کم علم غریب یا کم حیثیت والا سمجھ کر نفرت نہ کرتے۔ ہر کسی سے انتہائی شفقت کرتے۔ آپ کی رہائش گاہ کی جگہ مالواڈہ کمپلیکس کا منصوبہ بنا تو آپ ہماری رہائش گاہ کے قریب ہی رحیم روڈ، مصری شاہ میں میاں وحید صاحب ہی کے ایک اور کوارٹر میں منتقل ہوگئے۔ یہاں آکر آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمہ اللہ کی مسجد میں درس دینا شروع کیا۔ آپ جب فیصل ٹاؤن شفٹ ہوئے تو وہاں سے بھی درس کیلئے محبت کرنے والے دوست بالخصوص شفیق احمد صاحب ان کو لے آتے۔ آخر آپ کی بیماری کی شدت نے یہ سلسلہ بھی منقطع کردیا۔

مولانا نے کبھی فرقہ بندی کی بات نہیں کی۔ جب بھی کسی نے تقریر کرنے کیلئے گذارش کی آپ نے کسی کو انکار نہیں کیا۔ میری دعوت پر کئی ایک بریلوی مساجد میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ آپ جامعہ نعیمیہ (گڑھی شاہو) میں قاضی کورس میں لیکچر دینے جاتے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں آپ نے بتایا کہ مجھ سے کچھ علماء دیوبند نے شکوہ کیا کہ وہ مدرسہ تو بریلوی حضرات کا ہے آپ وہاں نہ جائیں۔ آپ نے بتایا کہ میں نے ان سے کہا کہ بھائی مفتی نعیمی صاحب نیک آدمی ہیں انہوں نے مجھے ایک نیک کام کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل بنایا ہے کہ میں کچھ بتا سکوں تو مجھے ضرور وہاں جانا چاہیئے۔

ایک مرتبہ آپ نے بتایا کہ مشرقی پاکستان سے جب بھی لاہور آتا تو سب سے پہلے سیدھا حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے حضور حاضر ہوتا تھا۔ مصری شاہ میں قیام کے دوران اکثر صبح کی نماز حضرت شاہ محمد غوث رحمہ اللہ کے مزار مبارک سے ملحقہ مسجد میں ادا کیا کرتے۔ مولانا نے میرے بھائی منظور قریشی کو بتایا کہ ایک مرتبہ کوئی آدمی حاضر ہوا اور بتایا کہ میں درود لکھی پڑھتا ہوں اس کی کوئی سند بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ محبت والے اسے پڑھتے آئے ہیں البتہ اس کی سند نہیں ہے اسی رات آقائے دوجہاں ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ خواب میں آئے اور فرمایا کہ اسے درود پڑھنے سے نہ روکیں۔ مولانا نے فرمایا: بھلا بتاؤ یہ سند کون اسے بتائے۔